اسلام کا

نظامِ امن و جنگ

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- **کتاب وسنت ڈاٹ کام** پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- **مجلس التحقیق الاسلامی** کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- **دعوتی مقاصد** کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

اسلام کا
نظامِ امن و جنگ

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی

مترجم

مولانا عبدالحلیم فلاحی

www.KitaboSunnat.com

MARKAZI MAKTABA ISLAMI PUBLISHERS
NEW DELHI
مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی۔۲۵

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مطبوعات ہیومن ویلفیئر ٹرسٹ (رجسٹرڈ) نمبر ۱۳۹۱
© جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب	:	اسلام کا نظامِ امن و جنگ
مصنف	:	ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی
مترجم	:	مولانا عبدالحلیم فلاحی
صفحات	:	۷۲
اشاعت اوّل	:	جنوری ۲۰۱۶ء
تعداد	:	۱۱۰۰
قیمت	:	-/۴۴ روپے
ناشر	:	مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز

ڈی ۳۰۷، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، جامعہ نگر، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵
فون: ۲۶۹۸۱۶۵۲، ۲۶۹۸۴۳۴۷ فیکس: ۲۶۹۸۷۸۵۸
E-mail: mmipublishers@gmail.com
Website: www.mmipublishers.net

مطبوعہ	:	اصیلہ آفسیٹ پرنٹرس، نئی دہلی-۲

ISLAM KA
NEZAM-E-AMAN O JANG (Urdu)
By: Dr. Mustafa al Sabai
Translated by: M. Abdul Haleem Falahi
Pages: 72
Price: ₹44.00

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ترتیب

عرضِ مترجم	۵
مقدمہ	۹
امن و جنگ کے سلسلے میں مسیحیت کا موقف	۱۱
اسلام کا موقف	۱۳
اسلام میں امن وسلامتی کی بنیادیں	۱۵
قیام امن کے لیے داخلی نظام	۲۱
قیام امن کے لیے خارجی نظام	۲۹
داخلی امن کی حفاظت کے لیے جنگ	۳۲
امن عالم کی حفاظت کے لیے جنگ	۳۶
اسلام میں نظام جنگ	۴۱
جزیہ سے متعلق چند ضروری وضاحتیں	۵۰
تاریخ میں اسلامی جنگوں کی حقیقی صورت حال	۶۱

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ مترجم

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی ہمارے علمی وتحریکی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں ہیں۔ ان کی متعدد اہم کتابوں کا اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے اور اردو خواں حلقے میں انھیں مقبولیت حاصل ہے۔ پیشِ نظر کتاب ان کی تصنیف ''نِظامُ السِّلم وَالحرَبِ في الإسْلَام'' کا ترجمہ ہے۔ جس زمانے میں اس کتاب کی تالیف ہوئی تھی اس وقت عالم اسلام سامراجی قوتوں کے ساتھ برسرِ پیکار تھا۔ اور آج بھی تقریباً صورت حال وہی ہے۔ بہ قول علامہ اقبال ؎

نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی نہ حریفِ پنجہ فگن نئے
وہی فطرتِ اسد اللہی، وہی مرحبیٔ وہی عنتری

البتہ آج کی جنگوں میں ایک نمایاں چیز یہ ہے کہ بعض مسلم ممالک سامراجی قوتوں کا آلۂ کار بنے ہوئے ہیں اور کہیں بہ راہِ راست تو کہیں بالواسطہ طور پر برادر ممالک کو تہ و بالا کرنے میں شریک ہیں۔

ماضی میں امریکہ نے جاپان کے دو مشہور شہروں (ہیروشیما اور ناگاساکی) کو نیست و نابود کر دیا تھا اور اب عراق و افغانستان کی تباہی بھی امریکہ اور اس کے اتحادی ملکوں کا کارنامہ شمار کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح روس شام کی تباہی کے درپے ہے۔

دل چسپ بات یہ ہے کہ جنگ کے یہ سارے ہیرو اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل کے ممبر ہیں۔ انھوں نے پوری دنیا میں قیامِ امن کا ٹھیکہ لے رکھا ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ ہماری جنگ قیامِ امن ہی کے لیے ہے۔ حفیظ میرٹھیؒ نے امن کے انھی دیوتاؤں کے لیے کہا تھا ؎

امن ہی کے دیوتاؤں کے اشاروں پر حفیظ
جنگ کی دیوی کھلے شہروں پہ برساتی ہے آگ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعیؒ نے اس کتاب میں امن و جنگ کا اسلامی نقطۂ نظر پیش کیا ہے اور قرآن وحدیث نیز تاریخی شواہد سے ثابت کیا ہے کہ اسلام امن کا داعی ہے۔ پوری اسلامی تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ملتا کہ مسلم حکم رانوں نے کسی ملک یا قوم پر جنگ تھوپی ہو۔ ڈاکٹر صاحب نے بہت صاف وسادہ اسلوب میں اپنی بات پیش کی ہے۔

کتاب کی افادیت کے پیش نظر راقم سطور نے اسے اردو کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ امید ہے قارئین اس سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔ "وَمَا تَوفِيقِي الا بالله عَلَيهِ تَوَكَّلتُ وَاِليه اُنيب۔"

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی ایک نظر میں

ڈاکٹر مصطفیٰ ابن حسنی السباعی شام (Syria) کے مشہور شہر حمص میں ۱۹۱۵ء میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ایک معروف ومشہور علمی گھرانے میں آنکھیں کھولیں۔ ان کے آباواجداد سیکڑوں سال سے حمص شہر کی جامع مسجدوں میں منصب خطابت پر فائز تھے۔ بچپن میں ان کی تعلیم وتربیت باپ کے زیرِ سایہ ہوئی۔ ان کے والد شیخ حسن السباعی ایک معروف عالم دین تھے۔

۱۹۳۳ء میں اعلیٰ تعلیم کی تحصیل کے لیے مصر گئے۔ وہاں ۱۹۴۱ء میں برطانوی تسلط کے خلاف مظاہروں میں اپنے مصری بھائیوں کا ساتھ دیا۔ اسی طرح عراق میں انگریزوں کے خلاف انقلاب میں رشید عالی الکیلانی کی تائید وحمایت کی۔ مصری حکومت نے انگریزوں کے حکم پر انھیں ان کے ساتھی طلبہ کے ساتھ گرفتار کرلیا۔ جیل میں تین ماہ گزارنے کے بعد انھیں فلسطین کی جیل صَرفَند منتقل کردیا گیا، جہاں وہ چار ماہ رہے، پھر ضمانت پر رہائی ملی۔

شام میں 'الاخوان' کی تاسیس

ڈاکٹر سباعی مصر میں تعلیم کے دوران 'الاخوان المسلمون' کے بانی ومؤسس حسن البنّاؒ سے واقف ہوئے اور شام واپسی کے بعد بھی دونوں کے درمیان مسلسل تعلق قائم رہا۔ شیخ سباعی نے شام کے سبھی صوبوں میں وہاں کے علما، دعاۃ اور اسلامی سوسائٹیوں کے ذمے داروں کے ساتھ میٹنگ کی اور طے پایا کہ سب لوگ مل کر دعوتِ اسلامی کے فروغ کا کام کریں گے۔ ۱۹۴۲ء میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

منعقد ہونے والے اس تاسیسی اجتماع میں حسن البنّاؒ کے داماد ڈاکٹر سعید رمضان مصر سے شریک ہوئے تھے۔ تین سال کے بعد ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی شام کی اخوان المسلمون کے باقاعدہ مراقب عام (امیر) منتخب ہوئے۔

صحافتی سرگرمیاں

۱۹۴۷ء میں شیخ مصطفیٰ سباعی نے 'المنار' نامی اخبار نکالا جسے حسنی زعیم نے ۱۹۴۹ء کے انقلاب کے بعد بند کر دیا۔

۱۹۵۵ء میں بعض رفقا کے ساتھ مل کر 'الشّہاب' نامی ہفتہ وار مجلّہ کا اجرا کیا۔ یہ مجلّہ ۱۹۵۸ء میں مصر کے ساتھ وفاق کے قیام تک جاری رہا۔

۱۹۵۵ء ہی میں ماہ نامہ 'المسلمون' کا (مصر میں بند ہونے کے بعد) اجرا کیا۔ یہ بھی ۱۹۵۸ء تک دمشق سے مسلسل نکلتا رہا۔ اُسی سال اپنے اصل مالک سعید رمضان کے پاس جنیوا، سوئزر لینڈ منتقل ہو گیا۔ ڈاکٹر سباعی نے اس کے بعد ماہ نامہ ''حضارة الاسلام'' کا اجرا کیا اور وفات تک اس کے مدیر رہے۔ بعد میں محمد ادیب صالح نے اسے دمشق سے جاری کیا۔

شام کی پارلیمنٹ میں

۱۹۴۹ء میں ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی شام کی پارلیمنٹ کی تاسیسی کمیٹی کے رکن منتخب ہوئے۔ پھر ڈپٹی اسپیکر بنے۔ اس کے بعد دستور ساز کمیٹی کے ممبر منتخب ہوئے۔ یہ کمیٹی انیس ممبران پر مشتمل تھی۔

تدریسی خدمات

۱۹۵۰ء میں ڈاکٹر سباعی کا دمشق یونی ورسٹی کے کلیۃ الحقوق میں بہ حیثیت پروفیسر تقرر ہوا۔

۱۹۵۵ء میں انھوں نے یونی ورسٹی میں کلیۃ الشریعۃ کی بنیاد ڈالی اور وہی اس کے سب سے پہلے ڈین مقرر ہوئے۔

اپنے علمی محاضرات (لکچروں) کے باعث سباعی صاحب دمشق یونی ورسٹی میں کافی مشہور ہو گئے۔ خاص طور پر شام کی فکری اور ثقافتی مجالس اور اشاعتی اداروں میں بہ حیثیت ادیب و

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شاعر، مفکر اور صحافی انھیں شہرت حاصل تھی۔ دینی و سیاسی موضوعات پر وہ بڑے وقیع مقالے لکھتے تھے۔ ان کے لکچروں کی ہر طرف دھوم مچی ہوئی تھی۔ وہ فقہ میں ماہر اور ایک جدید طرز کے داعیِ اسلام تھے۔

دمشق کے قید خانے میں

۱۹۵۶ء میں ڈاکٹر سباعی نے حکومت سے درخواست کی کہ شام کی اخوان المسلمون کو نہر سوئز کی جنگ میں مصریوں کے ساتھ مل کر دشمنوں سے لڑنے کی اجازت دی جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ادیب شیشکلی کی حکومت نے اخوان کو غیر قانونی قرار دے دیا اور سباعی اور ان کے رفقا کو گرفتار کر لیا۔ پھر انھیں دمشق یونی ورسٹی سے علیحدہ کر دیا گیا۔ آخر کار انھیں ملک بدر کر کے لبنان بھیج دیا گیا۔

اخوان المسلمون کے انتظامی امور کے دفتر کی صدارت

مصر میں انقلابِ جولائی کی حکومت کے ساتھ اخوان المسلمون کی محاذ آرائی کے دوران حسن ہضیبی کی گرفتاری کے بعد اخوان المسلمون نے بلادِ عربیہ میں ایک مشترک انتظامی دفتر بنایا۔ ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی اس کے ڈائرکٹر تھے۔

تصنیفی سرگرمیاں

ڈاکٹر سباعی تصنیف و تالیف کے میدان میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے۔ ان کا شمار محقق علما اور مجتہد فقہا میں ہوتا تھا۔ فقہ اسلامی پر عبور کے ساتھ انھیں جدید مسائل کا بھی گہرا مطالعہ تھا۔ ان کی اہم تصنیفات تقریباً دو درجن ہیں، جن میں سے بعض اہم کتابوں کا بہت پہلے اردو میں ترجمہ ہو چکا ہے اور انھیں اردو خواں تحریکی حلقوں میں قبولِ عام حاصل ہے۔

بیماری اور وفات

آخری عمر میں مصطفیٰ سباعی کا آدھا جسم بائیں جانب سے مفلوج ہو گیا تھا۔ اسی حال میں وہ تقریباً آٹھ سال تک صاحب فراش رہے۔ بالآخر ۳/ اکتوبر ۱۹۶۴ء بہ روز سنیچر اس دارِ فانی سے کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ان کی نمازِ جنازہ جامع اُموی میں ادا کی گئی۔

۱۶/ دسمبر ۲۰۱۵ء

عبدالحلیم فلاحی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مقدمہ

یہ عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ میں ایک ایسے وقت میں 'اسلام کا نظامِ امن و جنگ' کے موضوع پر گفتگو کر رہا ہوں، جب کہ بلادِ شام اپنی سرزمین سے غیر ملکی اقتدار کے انخلا کی یادگار کا جشن منا رہا ہے۔[1] یہ انخلا دراصل باشندگان شام اور اجنبی استعمار کے درمیان ایک خوف ناک جنگ کا خاتمہ تھا، جس میں بے شمار لوگ قتل اور بے گھر ہوئے تھے اور بڑے پیمانے پر بربادی ہوئی تھی۔

ابھی زیادہ دن نہیں گزرے کہ دنیا نے دوسری عالمی جنگ کے خاتمے پر بے انتہا خوشی و مسرت کا اظہار کیا تھا۔ اور آج دنیا پھر بے چینی و پریشان حالی سے دوچار ہے۔ کچھ دوسرے محاذوں پر جنگ کا آغاز ہوگیا ہے، جس کی آگ سے بہت سی قومیں اور ممالک جھلس رہے ہیں۔ دنیا کے سارے بڑے ممالک امن کی بات کر رہے ہیں اور قیام امن کے لیے اپنی شدید رغبت کا اظہار و اعلان کر رہے ہیں۔ لیکن وہی ممالک اسلحے کی دوڑ میں ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، مسابقت کا یہ جذبہ اس حد تک بڑھ گیا ہے کہ اس زوال پذیر تہذیب کے حصے میں چند ایٹم بم اور کچھ ہائیڈروجن بم ہی آئیں گے۔

اس طرح آج لوگ جنگ کی فضا اور اس سے پیدا ہونے والی بے چینی اور اضطراب میں زندگی گزار رہے ہیں۔ لوگ جنگ کے خوف ناک انجام سے اندیشہ ناک ہیں۔ گرچہ وہ لوگ ابھی جنگ کی آگ، اس کے دھوئیں اور اس کے ایٹم بم اور توپوں سے دور ہیں۔

میرے نزدیک پوری دنیا میں بلاشک و تردد اگر کوئی بڑا مسئلہ آج ہے تو وہ محض نفسیاتی

---

(۱) یہ واقعہ ۷/اپریل ۱۹۴۵ء کا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسئلہ ہے۔ دوسرے سارے مسائل کا نمبر اس کے بعد آتا ہے۔ یہ مسئلہ ان صدور اور قائدین کے نفس کے اندر موجود ہے، جو بڑے ممالک کی قیادت وصدارت کر رہے ہیں۔ یہ مسئلہ ان سیاست دانوں کے نفوس کے اندر بھی ہے جو اُن سربراہانِ ممالک کے ارد گرد جمع رہتے ہیں۔ یہ مسئلہ ان اقوام کے نفوس میں بھی ہوتا ہے جو ان قائدین ورؤسا کی تابع دار ہوتی ہیں اور انھیں کے فرمان کے مطابق اپنی رفتار کا تعین کرتی ہیں۔

نفسیاتی مسائل کے علاج کے لیے ضروری ہے کہ وہ نفسیاتی فضا میں حل کیے جائیں۔ افراد اور جماعتوں کی رہنمائی کے لیے عقائد ہی سب سے بڑے نفسیاتی عوامل ہیں۔ اس طرح اس عالمِ مریض کے علاج کے لیے اس دور میں اگر کوئی مؤثر اور کارگر ہتھیار ہے تو وہ دین ہے۔ اور یہ ادیانِ سماوی ہی حکام اور رعایا کے دلوں میں اطمینان اور محبت وتعاون کو پیدا کر سکتے ہیں۔

ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امن و جنگ کے سلسلے میں مسیحیت کا موقف

مسیحیت نے امن و جنگ کے مسئلے کا روحانی اور اخلاقی حل پیش کیا ہے۔ یہی حل عیسیٰ مسیح علیہ السلام کی زندگی میں تھا، اور ان کے نمائندوں اور تلامذہ کی زندگیوں میں بھی۔ مسیحیت نے لوگوں کو آپس میں محبت کی دعوت دی ہے اور مال و سامانِ زیبائش و آرائش سے کنارہ کشی اختیار کرنے پر زور دیا ہے۔ مسیحیت لوگوں کو ہر اُس چیز سے دور رہنے کی تلقین کرتی ہے جو جنگ و جدال اور باہمی دشمنی کا سبب بنتی ہیں۔ عیسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام کا قول ہے:

''مبارکبادی ہو امن کے علم برداروں کے لیے، کیوں کہ یہ اللہ کے خاص بندے ہیں۔''
(انجیل متی)

اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے پیرووں کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''اپنے دشمنوں سے محبت کرو، اپنے لعن طعن کرنے والے والوں کے لیے کلمۂ خیر کہو، اپنے بغض رکھنے والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو اور جو تمھارے ساتھ بدسلوکی کریں یا تمھیں بھگائیں ان کے لیے دعاے خیر کرو تو تم اس ہستی کی نگاہ میں محبوب ہو جاؤ گے جو آسمان میں ہے اور جو اپنا سورج بدکاروں و نیکوکاروں پر یکساں طلوع کرتی ہے۔ اور اس کی بارانِ رحمت سے ظالم اور پرہیزگار دونوں مستفید ہوتے ہیں۔'' (انجیل متی)

انھوں نے اپنے ماننے والوں کو یہ تعلیمات صرف اس لیے دی ہیں کہ ان سے قیام امن میں مدد ملتی ہے اور ان کے ذریعے سے بغض و حسد کے عوامل کا سدِ باب ہوتا ہے۔ اقوام و افراد کے درمیان جنگ و جدال کا بڑا سبب یہی بغض و حسد ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لیکن عیسیٰ علیہ السلام کا دعوتِ امن کے سلسلے میں موقف عبادت گاہوں کے واعظین کا موقف نہیں ہے جو ایک آنکھ کھولتے ہیں اور دوسری آنکھ بھینچتے ہیں۔ دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جنھیں امن راس نہیں آتا اور نہ وہ اس کے لذت آشنا ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے نفس کو ظلم و عدوان ہی میں لذت ملتی ہے اور انھیں جنگ کی آگ بھڑکانے میں مزہ آتا ہے۔ ایسے لوگوں کے خلاف عیسیٰ علیہ السلام نے سخت جنگ کا اعلان کرتے ہوئے کہا ہے:

"تم یہ گمان نہ کرو کہ میں زمین پر محض وعظ کے ذریعے امن قائم کرنے کے لیے آیا ہوں، بلکہ میں بہ زورِ شمشیر امن قائم کرنے کے لیے آیا ہوں" (متی)

انھیں کا قول ہے:

"میں دنیا میں آیا ہوں تاکہ بہ زورِ قوت ظلم کا خاتمہ کروں۔" (لوقا)

اور انھیں کا قول ہے:

"جس کے پاس پرس ہو وہ اسے پکڑ کر رکھے اور جس کے پاس کچھ نہ ہو وہ اپنا کرتا بیچے اور اس سے تلوار خریدے۔" (لوقا)

عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے:

"اپنے دشمنوں سے محبت کرو۔ یہ ایک دائمی نظامِ امن کا اعلان ہے جس کی ضرورت ہر قوم و ملت کو ہے۔" (لوقا)

اور ان کا یہ قول کہ:

"وہ تلوار خریدے۔"

یہ دراصل امن کے دشمنوں کے لیے دھمکی آمیز اعلان ہے۔ یہ انھیں خبردار کرنے کے لیے ہے جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور عوام کو آزادیٔ عقیدہ اور امن و محبت کی خوش گوار فضا سے محروم کرنا چاہتے ہیں۔ اس طرح گویا عیسیٰ مسیح علیہ السلام نے ان لوگوں کے خلاف اعلانِ جنگ کیا ہے جو جنگ برپا کرنے کا کام کر رہے ہیں، اور ان لوگوں کو امن و سلامتی کی بشارت دی ہے جو زمین میں نہ بڑے بننا چاہتے ہیں اور نہ سرکشی کرتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلام کا مؤقف

رہا اسلام تو ہم دیکھتے ہیں کہ یہ "السَّلام" کے مادے سے بنا ہے اور اسلام اور سلام دونوں کا مادہ ایک ہے۔ سلام کے معنیٰ سراپا امن و سلامتی کے ہیں۔ اور اسلام تو دراصل دل و جان اور جسم کے ساتھ نظام حق و خیر کی پاس داری و تابع داری کا نام ہے۔ اور مسلمان وہ ہے جو مالک دو جہاں اللہ رب العالمین کے احکام کے سامنے سپر انداز ہو جائے۔

قرآن میں اللہ کے ناموں میں سے ایک نام "السَّلام" بھی ہے: هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ (الحشر: ۲۳) "وہ اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، بادشاہ، نہایت مقدس، سراسر سلامتی، امن دینے والا، نگہبان" اور یہیں سے مسلمانوں میں عبدالسلام نام کثرت سے رکھے جانے لگے۔ یہ نام غیر مسلموں میں نہیں پائے جاتے ہیں۔

اسی طرح مسلمان جب ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو سلام ہی کا تحفہ دیتے ہیں اور "السّلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ" کہتے ہیں یعنی آپ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت اور برکت ہو۔ وہ اپنی نماز میں اپنے نبی پر سلام بھیجتے ہیں اور نماز ہی میں اللہ کے سارے نیک بندوں پر بھی سلام بھیجتے ہیں۔ مسلمانوں کا یہ شعار ہے کہ جب وہ اپنی نماز ختم کرتے ہیں تو دائیں و بائیں "السّلام علیکم ورحمۃ اللہ" کہتے ہیں، اور نماز کے بعد جو پہلا مسنون ذکر ہے وہ "اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ" ہے۔ یعنی اے اللہ تو سراپا سلامتی ہے۔

مکہ میں مسجد حرام کے دروازوں میں سے ایک دروازے کا نام اور مدینہ میں مسجد نبوی کے دروازوں میں سے ایک دروازے کا نام "باب السّلام۔ امن کا دروازہ ہے" ہے۔ اور جنت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کا گھر جو اللہ کے اطاعت گزار بندوں کی ابدی قیام گاہ ہے اس کا نام بھی دار السّلام ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ (الانعام:۱۲۷)

"اُن کے رب کے پاس ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے اور وہ ان کا سرپرست ہے اس طرزِ عمل کی وجہ سے جو انھوں نے اختیار کیا۔"

آخرت میں جس دن مومنین اللہ سے ملاقات کریں گے ان کا استقبال سلام سے ہوگا۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ (الاحزاب:۴۴)

"جس روز وہ اس سے ملیں گے ان کا استقبال سلام سے ہوگا۔"

قرآن کی آیات کا تتبع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳۳ سے زیادہ آیات میں لفظ "سلم" اور اس مادے سے بنے ہوئے الفاظ موجود ہیں۔ درایں اثنا لفظ "حرب ــــ جنگ" پر مشتمل آیات صرف چھ ہیں۔ ہم اس بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کے جملہ اغراض و مقاصد میں امن و سلامتی کی فکر کو اہم مقام حاصل ہے۔ بلکہ قرآن واضح طور پر بیان کرتا ہے کہ اسلام کی پیروی اختیار کرنے کا متوقع نتیجہ یہ ہے کہ آدمی کو سلامتی اور نورِ حق کی ہدایت حاصل ہو۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾ (المآئدہ:۱۵، ۱۶)

"تمھارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشنی اور ایک واضح کتاب آ گئی ہے۔ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو اس کی رضا کے طالب ہیں سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے۔ اور اپنے اذن سے ان کو اندھیروں سے نکال کر اجالے کی طرف لاتا ہے اور راہِ راست کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے۔"

اس مقصد کے حصول کے لیے اسلام نے کچھ اصول و مبادی وضع کیے ہیں جن کی حیثیت امن و سلامتی کے قیام کے لیے ٹھوس بنیادوں کی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلام میں امن وسلامتی کی بنیادیں

۱۔سارے انسان آپس میں بھائی ہیں، باوجوداس کے ان کی زبانیں اور ان کے نام ونسب اور وطن الگ الگ ہیں۔سارے انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً (النسآء:۱)

''اے لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد وعورت دنیا میں پھیلا دیے۔''

قرآن میں انسان کو لفظ ''النّاس'' (لوگو) سے کثرت سے خطاب کیا گیا ہے۔لیکن انھیں آدم کی نسبت بھی خطاب کیا گیا ہے۔مثلاً:

يَا بَنِي آدَمَ قَدْ أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا (الاعراف:۲۶)

''اے بنی آدم! ہم نے تم پر لباس اتارا۔''

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

يَا بَنِي آدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ (الاعراف:۲۷)

''اے بنی آدم! شیطان تمھیں فتنہ میں نہ ڈالنے پائے۔''

ان آیتوں میں لوگوں کے درمیان اخوت اور بھائی چارگی کے حق کی یاددہانی کرائی گئی ہے۔تاکہ ہر انسان ایک دوسرے کے ساتھ ظلم وزیادتی کرنے سے بچے۔

انسان تو انسان، حیوان کے ساتھ بھی کسی طرح کی ظلم وزیادتی نہ کرنا چاہیے کیوں کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دونوں ایک دنیا کے رہنے والے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے:

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَ لَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ط

(الانعام: ۳۸)

''کوئی جانور نہیں جو زمین پر چلتا ہو اور کوئی پرندہ نہیں جو (فضا میں) اپنے دونوں بازوؤں سے اڑتا ہو، مگر یہ سب تمھاری طرح امتیں ہیں۔''

بلکہ پوری کائنات، حیوانات و نباتات اور جمادات اور ارض و سما اللہ واحد کے پیدا کیے ہوئے عوالم ہیں اور ربِّ واحد کے پروردہ ہیں۔ ہر مومن کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ روزانہ اپنی نماز میں تیس سے زاید بار اس حقیقت کا اظہار کرے، اور یہ ذکر سورہ ''الفاتحہ'' پڑھتے وقت اپنی نماز کی ہر رکعت میں کرے گا۔ سب سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہے، پھر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ہے۔ یہ آیت صاف بتاتی ہے کہ ہماری اس دنیا کے علاوہ اور بھی عالم ہیں اور اللہ سبحانہٗ تعالیٰ ان سب کا رب ہے۔

۲- اسی طرح سارے انسانوں کے درمیان محبت، تعاون اور جذبۂ خیر خواہی اس ایمان کی اساس ہے جو اللہ کے یہاں مقبول ہے۔ اسی مقبول ایمان کی بنیاد پر اللہ کے نزدیک لوگوں کے درمیان ایک پر دوسرے کو فضیلت کا درجہ حاصل ہوگا۔ جیسا کہ ارشادِ نبویؐ ہے:

لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ (مسلم)

''تم میں کا کوئی مومن نہ ہوگا جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

اور ارشادِ ربانی ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَ التَّقْوٰى ۖ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۖ

(المائدہ: ۲)

''تم نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں تعاون کرو اور گناہ و زیادتی کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔''

یہ حدیث بھی ملاحظہ ہو جس کی روایت بزّار نے کی ہے:

اَلْخَلْقُ كُلُّهُمْ عِيَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّهُمْ اِلَيْهِ اَنْفَعُهُمْ لِعِيَالِهٖ

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔اس کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ وہ ہے جو اس کے کنبے کے لیے زیادہ نفع بخش ہو۔''

ہر جان دار پر رحم کرنا اور اس کے آرام و تکلیف کی فکر کرنا ایک ایسی عظیم عبادت ہے جو لوگوں کے لیے جنت میں داخلے کا سبب بن سکتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: ''ایک شخص نے ایک کتے کو دیکھا کہ وہ زبان لٹکائے ہانپ رہا ہے اور شدت پیاس سے مٹی کرید کر کھا رہا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ اپنے چمڑے کے موزے کے ذریعے کنویں سے بھر کر اس کے لیے پانی نکالنے لگا، یہاں تک کہ اس نے اسے سیراب کر دیا۔ پھر اس نے اپنے اس حسن عمل پر اللہ کا شکر ادا کیا، تو اللہ نے اسے جنت میں داخل کر دیا۔'' صحابہؓ نے دریافت کیا: اے اللہ کے رسولؐ کیا جانوروں کے کام آنے میں ہمارے لیے اجر ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر نرم جگر میں اجر ہے۔'' (بخاری و مسلم) اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر جاندار پر رحم کرنے میں اجر و ثواب ہے۔

زمین پر بسنے والے جان دار اور بے جان چیزوں پر رحم کرنا اللہ کی رحمت اور اس کے یہاں اجر و ثواب کے حصول کا ذریعہ ہے۔ چناں چہ ارشادِ نبویؐ ہے:

الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ. (ابوداؤد و ترمذی)

''رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرے گا، تم زمین والوں پر رحم کرو تو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔''

محبت، رحم اور باہمی تعاون ہی وہ بنیادیں ہیں جن کی بنا پر لوگ آپس میں ایک دوسرے سے معاملہ کرتے ہیں اور اسی بنا پر ان کا ایمان مکمل ہوگا اور وہ آسمان کی بادشاہت (جنت) میں داخل ہوں گے۔ اسی محبت اور باہمی تعاون کے جذبے کو پروان چڑھانے کے لیے اسلام نے لوگوں کو سلام کو پھیلانے کی ترغیب دی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ نبویؐ ہے:

لَا تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا، وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا، أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ؟ أَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ. (مسلم)

''تم لوگ جنت میں داخل نہیں ہو گے جب تک کہ ایمان والے نہ بنو اور تم لوگ ایمان

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

والے نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپس میں محبت نہ کرو، کیا میں تمھیں وہ چیز نہ بتاؤں جس پر عمل کرنے سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے؟ اپنے درمیان سلام کو پھیلاؤ۔"

۳۔ معاشرے کے افراد کے حقوق کی ادائی کے سلسلے میں عفو و درگزر اور رواداری سے کام لینا اور لوگوں کی بدسلوکیوں کا بدلہ احسان وحسن سلوک سے دینا مکارم اخلاق میں سے ہے۔ یہی وہ میدان ہے جس میں لوگ اللہ کی خوشنودی کے حصول اور اس کی جنت میں داخلے کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا ۚ فَمَنْ عَفَا وَ اَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ (الشوریٰ: ۴۰)

"برائی کا بدلہ ویسی ہی برائی ہے، پھر جو کوئی معاف کر دے اور اصلاح کرلے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے، اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔"

اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَ لَا تَسْتَوِی الْحَسَنَةُ وَ لَا السَّیِّئَةُ ؕ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ﴿۳۴﴾ وَ مَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ۚ وَ مَا یُلَقّٰىهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ ﴿۳۵﴾ (حٰمٓ السجدۃ: ۳۴، ۳۵)

"اور اے نبیؐ، نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں۔ تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو، تم دیکھو گے کہ تمہارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا ہے۔ یہ صفت نصیب نہیں ہوتی مگر ان لوگوں کو جو صبر سے کام لیتے ہیں، اور یہ مقام حاصل نہیں ہوتا مگر اُن لوگوں کو جو بڑے نصیبے والے ہیں۔"

اور ارشاد نبویؐ ہے:

اِنَّ العَبدَ لَیَبلُغُ بِحُسنِ خُلقِهِ عَظِیمَ دَرَجَاتِ الآخِرَۃ وشَرَفِ المَنَازِلِ وَاِنَّهُ لَضَعِیفُ العِبَادَۃِ۔ (طبرانی)

"بندہ اپنے حسن اخلاق کے ذریعے سے آخرت میں عظیم درجات اور اعلیٰ مقام حاصل کرلے گا، اگرچہ وہ عبادت میں کمزور ہی کیوں نہ ہو۔"

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۴- ہر وہ کام جس کے سبب سینوں میں آگ بھڑکتی ہے یا لوگوں کے درمیان عداوت و نفرت پیدا ہوتی ہے، ان کا ارتکاب کسی مومن کے لیے جائز نہیں ہے۔ مثلاً غیبت، چغل خوری، تجسس، استہزا اور بدگمانی وغیرہ۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَ لَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ وَ لَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ لَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ؕ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِيْمَانِ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲﴾ (الحجرات:۱۱، ۱۲)

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ مرد دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ آپس میں ایک دوسرے پر طعن نہ کرو اور نہ ایک دوسرے کو برے القاب سے یاد کرو۔ ایمان لانے کے بعد تو فسق کا نام بھی برا ہے۔ اور جو لوگ اس روش سے توبہ نہ کریں تو یہی لوگ ظالم ہیں۔“

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو کہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ اور ٹوہ میں نہ لگو۔ اور نہ ایک دوسرے کی غیبت کرو۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مردار بھائی کا گوشت کھائے؟ تم نے تو اس کو ناگوار جانا۔ اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، مہربان ہے۔“

۵- سارے ادیانِ سماوی اپنے اصول و مقاصد میں یکساں ہیں اور سارے انبیا و رُسل آپس میں بھائی ہیں۔ سب نے ایک دوسرے کے بعد لوگوں تک اللہ کا پیغام پہنچایا۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ (آل عمران:۱۴۴)

”محمدؐ اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔“

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

اس لیے تعددِ ادیان کو لوگوں کے درمیان لڑائی جھگڑے اور قتل وخوں ریزی کا سبب نہیں بنانا چاہیے۔ ارشادِ ربانی ہے:

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَ مَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ (البقرۃ:۱۳۶)

''مسلمانو! کہو: ''ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی اور جو ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اولادِ یعقوب کی طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسیٰ وعیسیٰ اور دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی۔ ہم اُن کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے مسلم ہیں۔''

اس طرح اسلام نے لوگوں کے دلوں میں امن وسلامتی کی دعوت کو پیوست کیا ہے۔ اور اس دعوت کی بنیاد اخلاقِ فاضلہ اور رواداری پر مبنی آزادی پر رکھی ہے۔

لیکن اسلام کی نظر میں صرف امن کی دعوت دینے سے امن قائم نہیں ہوگا۔ اسلام کی نظر میں قیامِ امن کے لیے افراد اور جماعتوں کی تربیت اور ان کے لیے ضابطہ بندی نہایت ضروری ہے۔ اس طرح لوگوں کے دلوں میں امن وسلامتی کی اہمیت جاگزیں ہوگی اور ان کے اخلاق وطبائع میں جذبۂ امن اس طرح جاری وساری ہوگا جیسے ان کی رگوں میں خون دوڑتا ہے۔ اور معاشرے میں شروفتنہ اور نقضِ امن کے امکانات کا پوری طرح سدِباب کردیا جائے۔ اور عدل وانصاف پر مبنی ایک ایسا اجتماعی نظام قائم کیا جائے جس کی بنیاد حقوق وفرائض کے توازن پر ہو۔ اس نظام کے زیرِ سایہ نہ کسی پر ظلم ہو اور نہ کسی کی حق تلفی ہو۔ اس ضمن میں ہم معاشرے کے اندر نظامِ امن کے قیام کے لیے درج ذیل بنیادوں پر روشنی ڈالیں گے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قیامِ امن کے لیے داخلی نظام

اولاً: اسلام سب سے پہلے فرد کے نفس کی اصلاح کرتا ہے، تاکہ اللہ کے احکام واوامر کی تابع داری میں وہ ہر وقت لگا رہے، اور لوگوں سے بے لوث محبت کرے، ان کی خوشی وغم میں شریک رہے۔ اپنی پسند وناپسند ہر حال میں وہ خیر کا کام کرنے والا ہو، اور اپنی خوشی وناراضگی کے موقع پر ایذا رسانی سے دور رہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٧٧﴾ (الحج:۷۷)

''اپنے رب کی بندگی کرو اور نیک کام کرو، اسی سے توقع کی جا سکتی ہے کہ تمھیں فلاح نصیب ہو۔''

ارشاد نبویؐ ہے:

الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ۔ (بخاری ومسلم)

''صحیح معنوں میں مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں۔''

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

لَا يُؤْمِنُ مَنْ لَا يَأْمَنُ جاره بَوَائِقه۔ (بخاری، مسلم واحمد)

''وہ ایمان والا نہیں ہو سکتا جس کا پڑوسی اس کے شر سے محفوظ نہ رہے۔''

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

الْمُؤْمِنُ مَنْ اَمِنَهُ النَّاسُ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ۔ (ابن ماجہ)

''حقیقی مومن وہ ہے، لوگ جس سے اپنی جان ومال کے سلسلے میں مامون ہیں۔''

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ثانیاً: اسلام محبت و مودت کی بنیاد پر ایک ایسا خاندانی نظام قائم کرتا ہے جس کے اندر نفس انسانی کو سکون ملتا ہے۔ ہر فرد دوسرے سے مامون و محفوظ رہتا ہے۔ آپسی چپقلش اور نزاع کا کوئی شائبہ نہیں ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے درمیان حقوق کا ایسا بے مثال توازن ہوتا ہے کہ نہ بڑا چھوٹے پر ظلم کرتا ہے اور نہ چھوٹا تمرّد و سرکشی اختیار کرتا ہے۔ اس خاندانی نظام میں نہ شوہر من مانی کرتا ہے اور نہ بیوی کو ذلیل و حقیر سمجھا جاتا ہے۔ نہ باپ بیٹے سے بے پروا ہوتا ہے اور نہ بیٹا باپ سے بدسلوکی اور اس کی نافرمانی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَ صَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا (لقمان:۱۵)

''اور دنیا میں ان کے (والدین کے) ساتھ نیک برتاؤ کر۔''

سورۂ تحریم میں اہل و عیال کے تعلق سے ارشاد ہوتا ہے:

قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحریم:٦)

''بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو (جہنم کی) آگ سے۔''

اسی طرح میاں بیوی کے حقوق کے تعلق سے ارشاد ہوتا ہے:

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ (البقرۃ:۲۲۸)

''عورتوں کے لیے دستور کے مطابق ویسے ہی حقوق ہیں، جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔ البتہ مردوں کو ان پر ایک خصوصی درجہ حاصل ہے۔''

ثالثاً: اسلام معاشرے کی بنیاد علم پر رکھتا ہے۔ ایسا علم جس سے عقل والوں کو روشنی ملتی ہو۔ اسلام حصول علم کو معاشرے کے ایک ایک فرد کے لیے ناگزیر قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبویؐ ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ ۔ (ابن ماجہ)

''علم کا حاصل کرنا ہر مسلم پر فرض ہے۔''

اِسی طرح اسلام معاشرے کے ہر فرد کو فضائل اخلاق سے آراستہ کرنا چاہتا ہے تاکہ عزت و حرمت کی حفاظت ہو سکے اور بے لگام شہوت رانی پر قابو پایا جا سکے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۭ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَ يَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ . . . (النور:۳۰،۳۱)

"اے نبیؐ، مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اس سے باخبر ہے۔ اور اے نبیؐ مومن عورتوں سے کہو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں۔"

اور اسلام صحت کا ایک ایسا جامع نظام قائم کرتا ہے کہ ہر شخص جسمانی طور پر توانا و تندرست رہ سکے۔ جیسا کہ ارشادِ نبویؐ ہے:

الطُّهُوْرُ شَطْرُ الْإِيْمَانِ۔ (مسلم)

"صفائی و پاکیزگی آدھا ایمان ہے۔"

انسانی جسم کو چست و توانا رکھنے کے لیے آپؐ نے فرمایا:

عَلِّمُوْا اَوْلَادَكُمُ الرِّمَايَةَ وَالسِّبَاحَةَ وَرُكُوْبَ الْخَيْلِ (مسلم)

"اپنی اولاد کو تیر اندازی، تیراکی اور گھڑ سواری سکھاؤ۔"

آپؐ نے جسمانی آرام و راحت پر زور دیتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ لِجَسَدِكَ عَلَيْكَ حَقًّا (بخاری و مسلم)

"تمھارے جسم کا تم پر بڑا حق ہے۔"

ایک حدیث میں آپؐ نے جسمانی قوت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ خَيْرٌ وَاَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيْفِ۔

"طاقت ور مومن بہتر ہے اور اللہ کے نزدیک کم زور مومن سے زیادہ محبوب ہے۔"

اسلام معاشرے میں احترامِ انسانیت پر زور دیتا ہے اور عدلِ اجتماعی کے قیام کو عملی جامہ پہناتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل:۷۰)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"یقیناً ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی ہے۔"

اور یہاں تکریم انسانیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کے لیے زندہ رہنے کے حق کی ضمانت دی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ (بنی اسرائیل:۳۳)

"اور جس جان کو اللہ نے محترم ٹھہرایا ہے اس کو قتل نہ کرو مگر حق کے ساتھ۔"

حصول رزق کے لیے معاشرے کے ہر فرد کو کام کرنے کا حق حاصل ہے۔

ارشاد نبویؐ ہے:

إن أَفْضَلَ الكَسْبِ كَسْبُ الرَّجُلِ مِنْ يَدِهِ۔ (بخاری و ابن ماجہ)

"بہترین کمائی آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا ہے۔"

معاشرے کے ہر فرد کو ایک ایسی باعزت زندگی گزارنے کا حق ہے جس میں اس کے لیے مناسب لباس اور مناسب غذا اور مناسب مکان فراہم ہو، اور اس کے مناسب حال روحانی عزت بھی اُسے میسر ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ (بنی اسرائیل:۲۶)

"اور رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کا حق دو۔"

اور ارشاد نبویؐ:

مَا آمَنَ بِي مَنْ بَاتَ شَبْعَانَ وَجَارُهُ جَائِعٌ إِلَىٰ جَنْبِهِ وَهُوَ يَعْلَمُ بِهِ۔ (رواہ البزار و الطبرانی)

"جو شخص شکم سیر ہو کر رات گزارے اور اس کا پڑوسی اس کے پہلو میں بھوکا رہے اور وہ اس سے باخبر ہو تو وہ مومن نہیں۔"

ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے فرمایا:

"جس کا بھائی اس کے ماتحت ہو تو وہ اس کو وہی کھلائے جو خود کھائے اور اسے وہی پہنائے جو وہ خود پہنے۔" (بخاری)

ایک حدیث میں آپؐ نے فرمایا ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جو ہمارے کسی کام پر (ذمہ دارانہ منصب پر) مامور کیا جائے اور اس کے بیوی نہ ہو تو وہ اپنے لیے بیوی کا انتظام کرلے یا اس کے لیے سواری نہ ہو تو اپنے لیے سواری کا انتظام کرلے یا اس کے پاس گھر نہ ہو تو اپنے لیے ایک گھر بنالے۔ (طبرانی فی المعجم الکبیر)

اسلام انسانی معاشرے کے اندر ایسے قوانین کا اجرا کرتا ہے جس کے ذریعے لوگوں کے درمیان عدل و انصاف قائم ہوتا ہے۔ ان کے درمیان حقوق و فرائض میں بے مثال توازن ہوتا ہے اور بزرگی و برتری کا معیار صرف تقویٰ ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ ط (الحجرات:۱۳)

"درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمھارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔"

اور ارشادِ نبویؐ ہے:

اَلنَّاسُ سَوَاسِيَّةٌ كَاَسْنَانِ الْمُشْطِ لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلٰى اَعْجَمِيٍّ وَلَا لِاَبْيَضَ عَلٰى اَسْوَدَ اِلَّا بِالتَّقْوٰى.

"لوگ آپس میں کنگھی کے دانوں کی مانند برابر ہیں۔ کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں ہے مگر تقویٰ کی بنیاد پر، اسی طرح کسی گورے کو کسی کالے پر کوئی فضیلت نہیں ہے سوائے تقویٰ کے۔"

رابعاً: اسلام معاشرے میں ایک ایسی حکومت قائم کرتا ہے جو سارے افرادِ معاشرہ کی خدمت گار ہوتی ہے، لوگوں کی رہنمائی کرتی ہے اور ان کی ہمہ جہت نگرانی کرتی ہے۔

حکومت کے خدمت گار ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ قوم کے مشورے سے کام کرتی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ (الشوریٰ:۳۸)

"وہ اپنے معاملات آپس کے مشورے سے چلاتے ہیں۔"

حکومت ہمیشہ قوم کے بہتر مفاد اور اس کے عزت و وقار کے لیے کام کرتی ہے۔

ارشادِ نبوی ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مَنِ اسْتَعْمَلَ رَجُلًا مِنْ عُصَابَةٍ (جَمَاعَةٍ) وَفِيهِمْ مَنْ هُوَ اَرْضٰى لِلّٰهِ مِنْهُ فَقَدْ خَانَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ والْمُؤْمِنِيْنَ۔ (حاکم)

''جس نے کسی گروہ میں سے کسی خاص آدمی کو حاکم بنایا اور ان میں ایسا شخص موجود ہو جو اس کے مقابلے میں اللہ کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہو تو اُس نے اللہ و رسول اور مومنوں کی جماعت کے ساتھ خیانت کی۔''

ایک دوسری حدیث میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ وُلِّيَ شَيْئًا مِّنْ اُمُوْرِ الْمُسْلِمِيْنَ لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهٖ حَتّٰى يَنْظُرَ فِيْ حَوآئِجِهِمْ۔ (طبرانی)

جو مسلمانوں کے معاملات میں سے کسی معاملے کا ذمہ دار بنایا گیا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کی فکر نہیں کرے گا، جب تک کہ وہ لوگوں کی ضروریات کا خیال نہیں کرے گا۔''

یہ بات کہ حکومت رہنمائی کا فریضہ بھی انجام دیتی ہے تو اس میں شک نہیں کہ ایک اسلامی حکومت کی یہ اہم ذمہ داری ہے کہ راستے سے ہٹے ہوئے لوگوں کو صحیح راستے کی رہنمائی کرے اور گم راہوں کو ہدایت دے۔ سوئے ہوؤں کو بیدار کرے اور کام کے لوگوں کو آمادۂ کار کرے۔ عوام کے لیے بھلائی و برتری اور امن و سلامتی کے حصول کی راہ آسان کرے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

الْاِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ۔ (بخاری)

''سربراہِ مملکت نگران ہے اور اس سے اس کی رعایا کے بارے میں پوچھا جائے گا۔''

حکومت لوگوں کے حقوق کی حفاظت کرنے والی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ عوام کے جان و مال کا تحفظ کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے۔ معاشرے سے ظلم و عدوان کا خاتمہ کرنا اس کی آئینی ذمہ داری ہے۔ صلہ رحمی نہ کرنا اور پڑوسیوں کو تنگ کرنا بھی ظلم ہے۔ انھیں حق تلفیوں اور محرومیوں کے سبب لوگوں میں دشمنی پیدا ہوتی ہے اور بالآخر قتل و خوں ریزی تک نوبت آجاتی ہے۔ ایسی صورت میں اقتدار کی قوت کی سخت ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

إِنَّ اللّٰهَ يَزَعُ بِالسُّلْطَانِ مَالَا يَزَعُ بِالْقُرْآنِ۔

''اللہ تعالیٰ اقتدار کی قوت کے ذریعہ وہ رکاوٹ کھڑی کر دیتا ہے جو وہ قرآن کے ذریعے نہیں کرتا ہے۔''

اسی طرح حکومت کی ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ باہر کے دشمنوں کو قوم کے عقائد، اس کی عزت و وقار اور اس کی سرزمین پر حملے کی اجازت نہ دے۔ اور ہر ممکن ذرائع سے قوم کا دفاع کرے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَ أَعِدُّوا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ (الانفال:۶۰)

''تم دشمنوں کے مقابلے کے لیے ہر ممکن قوت مہیا رکھو۔''

اس طرح اسلام نے معاشرے کے اندر قیام امن کے لیے کام کیا ہے۔ اس نے نفوس انسانی کو اخلاقِ کریمانہ اور انسانوں کے درمیان باہمی حسن تعاون کے لیے تربیت دی ہے۔ اسلام نے ہر ایسی چیز کا سدّ باب کیا ہے جس سے نقضِ امن اور نظم اجتماعی میں خلل واقع ہونے کا خطرہ ہو۔ اسلام ایسے تمام امور پر قدغن لگاتا ہے جن سے انسانوں کے درمیان دشمنی پیدا ہونے یا ایک دوسرے کے خلاف جذبات کے بھڑکنے کا اندیشہ ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ لوگوں کو جنگ وجدال سے باز رہنے اور ہر طرح کی فتنہ انگیزیوں سے بچ کر معاشرے میں امن وشانتی کی فضا قائم کرنے کے لیے اسلام ہی صحیح بنیاد فراہم کرتا ہے۔

جب نفس انسانی اپنے حقوق کے تعلق سے مطمئن ہوگا اور اعصاب کو برانگیختہ کرنے والے جذبات سے دور ہوگا تو وہ جنگ کی لذت سے ہمیشہ ناآشنا رہے گا اور اسے ظلم وعدوان میں ہرگز مزہ نہ آئے گا۔ البتہ وہ لوگ جو ظلم کی چکی میں پس رہے ہوں گے، محرومیوں اور بے چینیوں نے اُن کی نیند اڑا رکھی ہوگی اور جن کے اعصاب اضطرابی کیفیت سے دوچار ہوں گے تو ایسے ماحول میں امن وامان قائم نہیں رہ سکتا ہے۔ ایسے ماحول میں جہاں نفسانی جذبات کو بھڑکایا جارہا ہو اور شہوات کو بیدار کیا جارہا ہو تو ایسی ہی صورتِ حال میں لوگ انقلاب کے محرکات پر لبیک کہتے ہیں اور ہمہ آن فتنہ برپا کرنے کے لیے سوچتے ہیں۔ بلاشبہ ہر جنگ کا ایندھن یہی محروم، بھوکے اور مظلوم و مقہور لوگ ہوتے ہیں اور سارے انقلابات کے پیچھے انہی لوگوں کا ہاتھ ہوتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلام ایک ایسا نظام امن قائم کرتا ہے جو انسانی معاشرے کو جنگوں اور فتنوں کے عوامل سے محفوظ رکھتا ہے۔ وہ ایسا کوئی رخنہ نہیں چھوڑتا ہے کہ جس سے کسی فتنے کو امت کے اندر در آنے کا موقع ملے اور شر و فساد کے لیے اس کے اعصاب پھڑ کنے لگیں اور نتیجتاً ملک کا امن و استقرار برباد ہو جائے۔ پھر وہ مثبت بنیادوں پر نظام امن قائم کرتا ہے اور وہ صرف جنگ کے اسباب کا قلع قمع نہیں کرتا ہے، بلکہ لوگوں کے سینوں میں امن و آشتی اور اخلاص و محبت کا بیج بھی بوتا ہے۔ یہاں تک کہ معاشرے کا ہر فرد امن کی لذت سے شاد کام ہوتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قیامِ امن کے لیے خارجی نظام

ایک امن پسند امت تیار کرنے کے بعد اسلام نے مملکت کی حدود کے باہر بھی قیام امن کی دعوت دی ہے، جس کی درج ذیل بنیادیں ہیں:

اولاً: دوسری تمام قوموں کے ساتھ ہمارے تعلقات کی اصل بنیاد صلح و سلامتی ہے۔

جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً (البقرۃ:۲۰۸)

''اے ایمان لانے والو! پورے پورے امن میں داخل ہو جاؤ۔''(۱)

ثانیاً: خارجی دنیا کے ساتھ ہماری امن کی پالیسی مثبت بنیادوں پر ہوگی اور یہ خالصتاً تعمیری ہوگی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَ التَّقْوٰی (المآئدہ:۲)

''نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔''

اور ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

لَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ وَ لَمْ یُخْرِجُوْکُمْ مِّنْ دِیَارِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْھُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَیْھِمْ ط اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُقْسِطِیْنَ ۝ (الممتحنۃ:۸)

---

(۱) مصنف نے آیت کے لفظ سِلْم سے اپنے موضوع کے لیے استدلال کیا ہے۔ اسی لیے ہم نے موضوع کی رعایت کرتے ہوئے ''امن'' کا ترجمہ کیا ہے۔ لیکن بالعموم اس کا ترجمہ ''اسلام'' کیا جاتا ہے۔ اس لیے آیت کے معنی ہوں گے: ''پورے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ۔'' (مترجم)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

''اللہ تمھیں ان لوگوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور انصاف کرنے سے نہیں روکتا جنھوں نے دین کے معاملے میں نہ تم سے جنگ کی ہے اور نہ تم کو تمھارے گھروں سے نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔''

ثالثاً: باہر کی دنیا کے ساتھ باہمی تعاون کا ایک ایسا جامع معاہدہ ہوگا جس کے تحت دوسری اقوام کے عقائد، ان کی آزادی و خودمختاری، نیز ان کے اموال واسباب اور ان کی عزت و وقار کا بھرپور احترام کیا جائے گا۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرۃ:۲۵۶)

''دین کی معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔''

اسی طرح ایک موقع پر حضرت عمر بن خطابؓ نے مصر کے گورنر حضرت عمرو بن العاصؓ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا:

مَتیٰ تَعَبَّدْتُمُ النَّاسَ وَقَدْ وَلَدَتْهُمْ اُمَّهَاتُهُمْ اَحْرَارًا۔

''تم نے کب لوگوں کو غلام بنالیا، ان کی ماؤں نے تو انھیں آزاد پیدا کیا تھا۔''

ایک دوسری جگہ قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ (البقرۃ:۱۸۸)

''تم لوگ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے مت کھاؤ۔''

اور سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ (بنی اسرائیل:۷۰)

''ہم نے بنی آدم کو عزت و وقار دیا۔''

رابعاً: باہر کی دنیا کے ساتھ ایسا پُرامن تعاون ہوگا کہ دوسری اقوام کے پاس جو علم و حکمت اور صنعت و حرفت ہے ان سے استفادہ کی بھرپور گنجائش ہوگی۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

فَبَشِّرْ عِبَادِ ﴿۱۷﴾ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۸﴾ (الزمر:۱۷،۱۸)

''پس اے نبیؐ، بشارت دے دو میرے ان بندوں کو جو بات کو غور سے سنتے ہیں اور

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اس کے بہترین پہلو کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی ہے اور یہی دانش مند ہیں۔"

اسی طرح ارشاد نبویؐ ہے:

"حکمت ودانائی مومن کی متاعِ گم شدہ ہے، جہاں کہیں اسے پا تا لے لیتا ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے جب اپنے ہم عصر ملوک وامرا کو دعوتی خطوط ارسال کرنا چاہا تو آپ کو بتایا کہ ملوک بغیر مہر کے خطوط قبول نہیں کرتے ہیں۔ چناں چہ آپؐ نے مہر بنانے کا حکم دیا۔ اور یہ مہر آپؐ کے لیے انگوٹھی کی شکل میں بنائی گئی، آپؐ نے اپنے خطوط پر اس سے مہر لگائی۔ اسی طرح جنگِ احزاب کے موقعے پر جب لشکروں نے مدینہ منورہ کا محاصرہ کرلیا تو سلمان فارسیؓ نے رسول اللہ ﷺ کو بتایا کہ ہمارے یہاں ایران میں لوگ دشمنوں کے حملوں سے بچاؤ کے لیے شہروں کے چاروں طرف خندقیں کھودتے ہیں۔ چناں چہ آپؐ نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کا حکم دے دیا اور خندق کھودنے کے کام میں خود بھی شریک رہے۔ یہ اس شریعت کا کارنامہ ہے جو دوسری اقوام کے تجربات اور علوم سے نہ صرف یہ کہ استفادہ کے لیے بنیادیں فراہم کرتی ہے، بلکہ حدود کے باہر کے لوگوں سے تعلقات میں اس چیز کو بہت اہمیت دیتی ہے۔

قارئین کرام! اسلام نے اندرونِ ملک اور بیرونِ ملک جس نظام امن کے قیام کی دعوت دی ہے، اس کے یہ نمایاں خط وخال ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

داخلی امن کی حفاظت کے لیے جنگ

اس میں شک نہیں کہ اسلام کا نظام جنگ جس نظریے پر قائم ہے، یہ بالکل وہی نقطۂ نظر ہے جس کی بنیاد پر دوسرے مذاہب نے جنگ کو اپنے یہاں باقاعدہ ایک پروگرام کی حیثیت سے اختیار کیا ہے۔ جنگ کی ضرورت ان افراد کے لیے ہوتی ہے جنھیں تربیت اور قانون ظلم وزیادتی سے باز نہیں رکھتے ہیں اور بعض ایسے گروہ بھی ہیں جو اپنے پڑوسی کی کمزوری کے سبب، اپنی طاقت وقوت کے غرہ میں عدوان واستعمار کی روش اختیار کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں بلا کسی شک وتردد کے طاقت کا استعمال امن پسندوں کے لیے قانوناً وشرعاً جائز ہوجاتا ہے۔ اسی سبب سے اسلام نے بھی قوت کے استعمال کو مشروع قرار دیا ہے۔

اسلام نے مسلم معاشرے کے چند متعین گروہوں کے خلاف سختی برتنے اور جنگ کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ یہ ہیں:

۱- نافرمانوں، سرکشوں، ڈاکوؤں اور امن سے کھلواڑ کرنے والوں سے نمٹنے کے لیے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّمَا جَزَآؤُا الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُّقَتَّلُوْا أَوْ يُصَلَّبُوْا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَ أَرْجُلُهُم مِّنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ (المآئدۃ:۳۳)

”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت کرتے ہیں اور ملک میں فساد برپا کرنے میں سرگرم ہیں، ان کی سزا تو یہ ہے کہ عبرت ناک طور پر قتل کیے جائیں یا سولی پر

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

لٹکائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں بے ترتیب کاٹ ڈالے جائیں یا جلا وطن کر دیے جائیں۔"

۲-سرکشوں اور ظالموں کا زور توڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ اِنْ طَآىِٕفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَیْنَهُمَاۚ فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِیْ تَبْغِیْ حَتّٰى تَفِیْٓءَ اِلٰۤى اَمْرِ اللّٰهِۚ

(الحجرات:۹)

"اگر اہل ایمان میں سے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو اُن کے درمیان صلح کراؤ۔ پھر اگر ان میں سے ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے گروہ سے جنگ کرو۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف پلٹ آئے۔"

۳-سود خواروں اور محنت کشوں کی محنت اور فقرا کا استحصال کرنے والوں سے۔ فرمانِ خداوندی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۝۲۷۸ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۚ

(البقرہ:۲۷۸،۲۷۹)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور جو کچھ تمھارا سود لوگوں پر باقی رہ گیا ہے، اُسے چھوڑ دو، اگر واقعی تم ایمان والے ہو۔ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا، تو خبردار رہو کہ اللہ و رسول کی طرف سے تمھارے خلاف اعلان جنگ ہے۔"

۴-غریبوں اور وسائل رزق سے محروم طبقات کے حقوق غصب کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىِٕلِ وَ الْمَحْرُوْمِ۝۱۹ (الذاریات:۱۹)

"اور ان کے مالوں میں سائل اور محروم کے لیے ایک متعین حق ہے۔"

اسی بنا پر خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مانعین زکوٰۃ (مسلمانوں) سے باقاعدہ جنگ کی تھی، اور ان کا یہ قول بہت مشہور ہے: "بہ خدا اگر انھوں نے مجھ سے اونٹ کی ایک رسّی بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

روک لی جو وہ رسول اللہ ﷺ کو دیتے تھے تو میں ان سے ضرور جنگ کروں گا۔"

۵-انسان کے بنیادی حقوق جیسے جان و مال اور عزت پر دست درازی کرنے والوں سے: بلاوجہ کسی کی جان لینے والے کو قتل کیا جائے گا۔ ارشاد ربانی ہے:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ (البقرہ:۱۷۹)

"اے عقل مندو! تمھارے لیے قِصاص "جان کے بدلے جان" میں زندگی ہے۔"

اسی طرح چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے:

السَّارِقُ وَ السَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا (المائدۃ:۳۸)

"چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔"

قرآن میں لوگوں کی عزت وآبرو سے کھلواڑ کرنے والے کی سزا کے ذکر کے بعد فرمایا گیا:

وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (النور:۲)

"اور ان کو سزا دیتے وقت اہل ایمان کا ایک گروہ موجود رہے۔"

اسی طرح الزام تراشی کرنے والوں کے لیے قرآن میں باقاعدہ سزا طے کر دی گئی ہے۔ ارشادربانی ہے:

وَ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً (النور:۴)

"اور جو لوگ پاک دامن عورتوں پر تہمت لگائیں، پھر چار گواہ لے کر نہ آئیں، اُن کو اَسّی کوڑے مارو۔"

سورہ نور ہی میں آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ (النور:۱۹)

"جو لوگ چاہتے ہیں کہ مسلمانوں میں بے حیائی کا چرچا ہو، ان کے لیے دنیا وآخرت میں دردناک سزا ہے۔"

۶-ان لوگوں سے جو تعلیم کا نظم ہونے کے باوجود حصولِ علم سے دل چسپی نہیں لیتے اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان سے بھی جو اپنے پڑوس میں بسنے والے جاہل لوگوں کو تعلیم نہیں دیتے۔" ایک دن رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا اور مسلمانوں کے متعدد گروہوں کی تعریف کی اور ان کے حق میں کلمۂ خیر کہا۔ پھر آپؐ نے فرمایا: لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ اپنے پڑوسیوں کے اندر دین کی سوجھ بوجھ نہیں پیدا کرتے اور نہ اُنھیں تعلیم دیتے ہیں، نہ انھیں وعظ و نصیحت کرتے ہیں اور نہ انھیں بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور نہ برائی سے روکتے ہیں۔ اور لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ نہ اپنے پڑوسیوں سے دین کی تعلیم لیتے ہیں اور نہ اپنے اندر دین کی سمجھ بوجھ پیدا کرتے ہیں، اور نہ وعظ و نصیحت قبول کرتے ہیں۔ پھر آپؐ نے فرمایا: بہ خدا لوگ ضرور اپنے پڑوسیوں کو تعلیم دیں اور ان کے اندر دین کی سمجھ بوجھ پیدا کریں، انھیں وعظ و نصیحت کریں، بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں۔ اور لوگ اپنے پڑوسیوں سے تعلیم لیں اور اپنے اندر دین کی سوجھ بوجھ پیدا کریں اور وعظ و نصیحت قبول کریں، ورنہ میں انھیں جلد سزا دوں گا۔ پھر آپؐ ممبر سے نیچے اترے تو لوگوں نے دریافت کیا کہ ہم میں سے یہ کون لوگ مراد ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: یہ اشاعرہ ہیں جو دین کی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں اور ان کے پڑوس میں سخت دل بدو بستے ہیں۔"

جب اشعریوں کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپؐ سے دریافت کیا: اے اللہ کے رسولؐ آپ نے کچھ لوگوں کا خیر کے ساتھ ذکر کیا اور ہمارا ذکر شر کے ساتھ کیا، آخر ہمارا قصور کیا ہے؟ اس کے جواب میں آپؐ نے وہی باتیں دہرا دیں جو آپؐ نے اوپر اپنے خطبے میں بیان کیا ہے۔ پھر انھوں نے دریافت کیا واقعی آپ کے خطاب کا رخ ہماری ہی طرف ہے۔ پھر آپؐ نے اوپر والی بات دہرا دی۔ جب اشعریوں کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ واقعی نبی ﷺ کے خطاب میں وہی لوگ مراد ہیں تو انھوں نے آپؐ سے ایک سال کی مہلت مانگی۔ آپ نے انھیں اپنے پڑوسیوں کو دین کی تعلیم دینے اور ان کے اندر دین کی سوجھ بوجھ پیدا کرنے کے لیے ایک سال کی مہلت دے دی۔" (اس کے راوی امام طبرانیؒ ہیں)

یہ قوموں کے درمیان ناخواندگی کے خلاف ایک طرح کا اعلان جنگ ہے۔ یہ اعلان آج کے تہذیبِ نو کے حامل ملکوں سے ۱۴ سو سال پہلے اسلام نے کیا تھا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امنِ عالم کی حفاظت کے لیے جنگ

رہی وہ جنگ جس کا اعلان اسلام امنِ عالم کی حفاظت کے لیے کرتا ہے۔ یہ وہی جنگ ہے جس کو قرآن جہاد فی سبیل اللہ سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ وہ جنگ نہیں ہے جسے مغربی متعصبین لوگوں کو بالجبر اسلام قبول کرانے کے لیے مذہبی جنگ کا نام دیتے ہیں۔ اس طرح کی کوئی بھی جنگ اسلام کے مزاج سے میل نہیں کھاتی ہے، کیوں کہ اسلام نے تو لوگوں کے لیے آزادیِ عقیدہ کا اعلان کیا ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (البقرہ:۲۵۶)

''دین کو قبول کرنے کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔''

یہ جنگ اسلام اس لیے برپا کرتا ہے تاکہ امت کو خارجی ظلم و عدوان سے آزادی دلائے اور ساری اقوام کے لیے عدلِ اجتماعی اور مذہبی آزادی کی ضمانت فراہم ہو۔ ان دونوں مقاصد کو اس آیت نے واضح لفظوں میں بیان کر دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (انفال:۳۹)

''ان سے جنگ کرو تا آں کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورا کا پورا اللہ کے لیے ہو جائے۔''

یہاں فتنہ کو دفع کرنا دراصل ظلم و عدوان کو رفع کرنا ہے۔ اور پورے دین کو اللہ کے لیے خالص کرنے کا مطلب سارے لوگوں کے لیے مذہبی آزادی فراہم کرنا ہے۔ اور ان دونوں مقاصد کے حصول کے بعد اسلام کی جنگ کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جب دشمن ظلم و عدوان سے باز

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

آ جاتا ہے اور امت کے دین وعقیدے کے سلسلے میں ہر طرح کے فتنے کا سدِّ باب ہو جاتا ہے تو پھر جنگ کا جواز ختم ہو جاتا۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩٣﴾ (البقرہ:۱۹۳)

''پھر اگر وہ باز آ جائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر دست درازی روا نہیں۔''

قرآن کی درج ذیل آیات کے مطالعے سے ہمیں جہاد فی سبیل اللہ کے مقاصد سے متعلق بہت زیادہ معلومات حاصل ہوں گی۔

۱۔ وَ مَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّ اجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿٧٥﴾ (النسآء:۷۵)

''آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اُن بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا، ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کردے۔''

۲۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ﴿٣٩﴾ ۙ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۭ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۭ (الحج:۳۹،۴۰)

''اُن لوگوں کو جن سے جنگ کی جا رہی ہے (مقابلے کی) اجازت دے دی گئی۔ کیوں کہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے ''ہمارا رب اللہ ہے۔'' اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے رفع نہ کرتا رہے تو خانقاہیں اور گرجا اور معبد اور مسجدیں، جن میں اللہ کا کثرت سے نام لیا جاتا ہے، سب مسمار کر ڈالی جائیں۔''

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

۴- اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿٧٦﴾ (النسآء:۷۶)

''جن لوگوں نے ایمان کا راستہ اختیار کیا ہے، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جنھوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ہے وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں، پس شیطان کے حامیوں سے لڑو اور یقین جانو کہ شیطان کی چالیں انتہائی کم زور ہیں۔''

قرآن کریم کی یہ چار آیتیں جہاد فی سبیل اللہ کے بارے میں بیان کر رہی ہیں۔ اب دیکھنا ہے کہ اِن آیات میں جو جہاد مذکور ہے وہ اپنی ماہیت کے اعتبار سے کیا ہے۔

پہلی آیت بتاتی ہے کہ جہاد ان مظلوم و مجبور لوگوں کی آزادی کے لیے ہے جو اپنے ذریعے سے ظلم و طغیان کو اپنے آپ سے دفع نہیں کر سکتے۔ انھوں نے اللہ سے مدد طلب کی کہ وہ انھیں اس سرزمین سے نکالے جہاں کے ظالم بڑے بے لگام ہو گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ ہمارے لیے ایسے حمایتی مہیا فرما کہ وہ ہماری مدد کریں اور اس آزمائش سے نکال دیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو ان مظلومین کی آزادی کے لیے جنگ کرنے پر ابھارا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے موثر انداز میں ان مظلوموں کا حال بیان کیا ہے کہ غیرت مند لوگوں کی رگِ حمیت پھڑک اٹھے۔ ''تمھیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کے راستے میں اور کم زوروں کے لیے جنگ نہیں کرتے۔''

رہی دوسری اور تیسری آیت تو یہ دونوں آیتیں بتاتی ہیں کہ جہاد فی سبیل اللہ ایک طرح کی دفاعی جنگ ہے۔ اسی لیے جس بنا پر جہاد کی اجازت دی گئی، وہ ہے: بایں طور کہ ان سے جنگ کی گئی، اور ان پر ظلم کیا گیا، انھیں ان کے گھروں سے نکالا گیا اور ان کے دین و عقیدہ کے تعلق سے ان کا تعاقب کیا گیا۔ اور مذہبی آزادی اور سارے مذاہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت کے لیے اور خدا بیزاروں اور متعصبین کی جانب سے ان پر ظلم و عدوان کو روکنے کے لیے جہاد کی اجازت دی گئی:

لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَ بِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ (الحج:۴۰)

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

"تو خانقاہیں اور گرجا گھر اور معبد اور مسجدیں ڈھادی جائیں۔"

آپ نے دیکھا کہ جہاد فی سبیل اللہ کا مقصد گرجا گھروں اور عبادت گاہوں (جن میں مسجدیں بھی شامل ہیں) کی متعصبین کی زیادتیوں سے حفاظت ہے۔ اس کا مطلب گرجا گھر گرا کر مسجد تعمیر کرنا ہرگز نہیں ہے جیسا کہ دشمنانِ اسلام کہتے ہیں۔ بلکہ وہ تو گرجا کے پہلو میں مسجد تعمیر کرتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ مختلف آسمانی مذاہب کے طریقۂ عبادت گرچہ مختلف ہیں، لیکن ان سب کا عمومی ہدف ایک ہی ہے۔ اور اس طرزِ عمل سے امت مسلمہ کے اندر روحانی روشنی اور اخلاقی بلندی میں اضافہ ہوگا۔

رہی چوتھی آیت:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ (النسآء:۷۶)

"جو لوگ ایمان لائے وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جنھوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ہے وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں۔"

یہ ایک حد فاصل ہے اس جنگ کے درمیان جس کا اعلان اسلام کرتا ہے اور وہ جنگ جس کا اعلان دشمنان اسلام کرتے ہیں۔ اسلام جس جنگ کا اعلان کرتا ہے وہ حق کی بلندی، آزادی و انصاف اور اخلاقی و روحانی قدروں کے ارتقا کی راہ کی جنگ ہے۔ اور دشمنان اسلام جس جنگ کا اعلان کرتے ہیں وہ ظلم و زیادتی اور طغیان کی جنگ ہے۔ اور ظلم و زیادتی کے اہداف پر مبنی جنگ جس کے مقابلے کے لیے اسلام اٹھ کھڑا ہوتا ہے وہ اپنے آپ میں ایک بڑی دلیل ہے کہ یہ طاغوت کی چھیڑی ہوئی جنگ ہے۔

اب اس کے بعد کسی ادنیٰ شک کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کے بلند ترین مقاصد کا تعلق انسانیت کی بھلائی سے ہے۔ اور یہ دراصل ان شریفانہ مقاصد کے حصول کی راہ میں ایک عظیم جدوجہد ہے جن کے لیے شریعتوں کا نزول ہوتا ہے اور قوانین وضع کیے جاتے ہیں، اور جن کے حصول کے لیے ہر دور میں انسانیت کوشش کرتی رہی ہے۔ اس جہاد کے لیے فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں) ایک لازمی شرط ہے۔ اس کا محرک مال کا حصول، عمارتوں کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مسماری، محض استعلا و غلبہ اور قومی و گروہی فخر ہرگز نہیں ہوگا۔ جو شخص ان چیزوں میں سے کسی ایک چیز کے لیے جہاد کرے گا تو وہ اسلام کی نظر میں ایسا مجاہد نہیں ہوگا جو مجاہدین اور شہدا کے اجر کا مستحق ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی جنگوں کی تاریخ اس حقیقت پر واضح دلیل ہے کہ آپؐ نے انسانیت کے بلند ترین مقاصد کے حصول کے لیے دشمن قوتوں سے جنگیں کی ہیں اور ان کے ساتھ معرکۂ کارزار گرم کیا ہے۔ آپؐ نے جنگ کا اعلان اس وقت کیا جب خود آپؐ اور آپؐ کی جماعت کے لوگوں کے ساتھ ظلم و ستم کی انتہا ہوگئی اور ان کے لیے عقیدے پر عمل کرنا مشکل ہوگیا۔ یہاں تک کہ اُنھیں اُن کے گھروں سے نکال دیا گیا۔ معرکۂ بدر اور اس کے بعد کے معرکے مذہبی آزادی اور جزیرۃ العرب میں امن و سلامتی کے استحکام کے لیے برپا ہوئے۔ یہ وہی امن و سلامتی ہے جس سے اہل مکہ نے مومنین کی جماعت کو محروم کر دیا تھا۔ انھوں نے مکہ کی وادیوں میں ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ ہر طرف سے مسلمانوں کا تعاقب کیا جا رہا تھا۔ انھیں روزی روٹی، مال و اسباب اور گھر سے محروم کر دیا گیا تھا۔ مگر آپؐ ان جاں گسل حالات میں بھی مسلسل تیرہ سال تک صبر کا دامن تھامے رہے اور حکمت کے ساتھ اللہ کی طرف لوگوں کو بلاتے رہے۔

اور جب قریش کا طغیان اپنی انتہا کو پہنچ گیا، حتیٰ کہ انھوں نے رسولؐ اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر کے اس نئی دعوت کو اس کے گہوارے ہی میں دفن کر دینے کا عزم مصمم کر لیا۔ اور مسلمانوں نے دعوتِ اسلامی کے نئے مرکز ''مدینہ منورہ'' ہجرت کر لی۔ پھر حق کی علم بردار اس نئی طاقت اور باطل پرستوں کے درمیان کش مکش شروع ہوگئی، اور یہ کش مکش جب انتہا کو پہنچی تو دونوں کے درمیان بڑے بڑے معرکے ہوئے۔ ایک گروہ حق، رواداری اور فضیلت و کمال کی انتہائی شان دار شکل کا حامل تھا تو دوسرا گروہ بدترین قسم کی سرکشی، کبر اور طغیان میں مبتلا تھا۔

یہ ہے اسلام میں جنگ کا فلسفہ اور اس کے ممکنہ اسباب۔ رہا اس کا نظام تو اس کا خلاصہ آگے بیان کیا جا رہا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلام میں نظام جنگ

۱- جب امتِ مسلمہ کے سامنے یہ بات اچھی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ کسی قوم کے اندر اس کے خلاف ظلم وعدوان اور بدعہدی کے جذبات موج زن ہیں تو وہ بلا تاخیر اپنے ممکنہ وسائل اور قوت کے ذریعے اپنے دفاع کی تیاری میں لگ جاتی ہے۔ اور ارشاد الٰہی بھی ہے:

وَ اَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّ مِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (الانفال:۶۰)

''اور تم لوگ جہاں تک تمھارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیا رکھو تاکہ اس کے ذریعے سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو ڈراؤ۔''

اس طرح یہ تیاری دشمن کو خوف زدہ کرنے کے لیے ہے نہ کہ اس کے ساتھ زیادتی کرنے کے لیے۔ یہ تیاری امت کے دشمنوں کو ڈرانے کے لیے ہے۔ دوستوں اور صلح کرنے والوں کو ڈرانے کے لیے نہیں ہے۔

۲- اگر دشمن ظلم وعدوان کی سوچ سے باز آجائے اور جنگ کا ارادہ ترک کردے تو امت مسلمہ کے لیے اس وقت ضروری ہوجاتا ہے کہ وہ بھی صلح کے لیے مائل ہوجائے، بلکہ عملاً صلح کرلے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

وَ اِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۱﴾ (الانفال:۶۱)

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

"اور اے نبیؐ، اگر دشمن صلح و سلامتی کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لیے آمادہ ہو جاؤ اور اللہ پر بھروسہ کرو، یقیناً وہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔"

۳- اگر دشمن آمادۂ جنگ ہی ہو اور ظلم و تعدّی سے باز نہ آ رہا ہو تو پھر برائی کا بدلہ اُسی جیسی برائی ہوگی۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ ﴿۴۱﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ (الشوریٰ: ۴۱، ۴۲)

"اور جو لوگ ظلم ہونے کے بعد بدلہ لیں اُن کو ملامت نہیں کی جا سکتی، ملامت کے مستحق تو وہ ہیں جو دوسروں پر ظلم کرتے اور زمین میں ناحق زیادتیاں کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے۔"

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾ (البقرہ: ۱۹۴)

"لہٰذا جو تم پر دست درازی کرے، تم بھی اُسی طرح اس پر دست درازی کرو۔ البتہ اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان رکھو کہ اللہ انھیں لوگوں کے ساتھ ہے جو اس کی حدود توڑنے سے پرہیز کرے۔"

۴- اور جب جنگ چھڑ جائے تو یہ کوشش ہونی چاہیے کہ حتیٰ الامکان اس کی تباہ کاریاں کم سے کم ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ جنگ میں فریب دہی جائز ہے۔ چناں چہ قولِ رسول ﷺ ہے:

الحَرْبُ خُدْعَةٌ (بخاری و مسلم)

"جنگ فریب دہی ہے۔"

اس کے معنیٰ ہیں دشمن کی تدبیروں اور منصوبوں کو ناکام بنانا اور اس کے عزم و ارادے کو پامال کرنا۔ کیوں کہ فریب دہی کے ذریعے کم سے کم وقت میں جنگ کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور فریقین کے مابین صلح قائم ہو سکتی ہے۔ اس طرح جان و مال کا نقصان بھی کم سے کم ہوگا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵- جب معرکہ کارزار گرم ہو جائے تو ایسی صورت میں لڑنے والوں کو باطل قوت کے مقابلے میں ثبات قدمی کا مظاہرہ کرنا چاہیے اور اللہ سے مدد طلب کرنی چاہیے۔ اور میدان جنگ میں ذکر اللہ کا کثرت سے اہتمام کرنا چاہیے جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٤٥﴾ (الانفال:۴۵)

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب کسی گروہ سے تمھارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کو کثرت سے یاد کرو، توقع ہے کہ تمھیں کامیابی نصیب ہوگی۔"

اللہ کو کثرت سے اس لیے یاد کرنا ہے تاکہ یہ بات ہمیشہ تمھارے ذہن میں تازہ رہے کہ تم اسلام دشمن قوتوں سے جنگ نہ تو نام و نمود کے لیے کر رہے ہو، نہ کسی خاندانی تعصب اور انتقام کے جذبے سے کر رہے ہو اور نہ ذاتی طور پر کسی کے اوپر غلبہ و تسلط حاصل کرنے کی خواہش تمھارے اندر موجزن ہے۔ بلکہ تم خالصتاً اللہ کے راستے میں دشمنوں سے جنگ کر رہے ہو۔ یہی نہیں بلکہ اثناء جنگ بھی تمھاری نیت بدلنی نہیں چاہیے کہ تمھارے دل میں جنگ کا کوئی ایسا تصور آ جائے جو دشمنوں کے لیے جنگ کا باعث ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہوا تو تم بھی انھیں کی طرح زیادتی کرنے والے ظالم ہو جاؤ گے۔

۶- جب جنگ شروع ہو جائے تو دشمن سے نبرد آزما فوج کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ دشمن فوج کے ساتھ اس کی یہ جنگ کمزوروں اور مظلوموں کی آزادی کے لیے ہے۔ اور کوشش یہ ہو کہ دائرۂ جنگ بہت محدود رہے تاکہ جنگ کی زد صرف انھیں لوگوں پر پڑے جنھوں نے تلوار اٹھا رکھی ہے اور جنگ کی ابتدا کی ہے۔ دشمن کی فوج کے جرم کی پاداش میں اس کی پوری قوم کو جنگ کی لپیٹ میں نہ لیا جائے۔ نہ ان کے ایک فریق کی جانب سے امت کے خلاف ظلم و زیادتی کے نتیجے میں دشمن کے سارے لوگوں سے انتقام لیا جائے۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے:

وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿١٩٠﴾ (البقرہ:۱۹۰)

"اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو، جو تم سے لڑتے ہیں۔ مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

ہمیں اس وقت اسلام انسانیت کی بلندی پر دکھائی دیتا ہے جب وہ بوڑھوں کے قتل اور اپاہج، عورتوں، بچوں، عبادت کے لیے عبادت گاہوں میں محصور ہو جانے والوں، کسانوں اور ان امن پسند شہریوں کو قتل کرنے کو حرام قرار دیتا ہے جو جنگ میں شریک نہ ہوئے ہوں۔ یہاں مزید وضا حت کے لیے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی جانب سے جزیرۃ العرب سے بلاد روم کی طرف روانہ ہونے والی پہلی اسلامی فوج کو کی گئی وصیت کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ حالاں کہ اس وقت رومیوں کی جانب سے نوخیز اسلامی مملکت پر پیہم حملے ہو رہے تھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وصیتوں نے انھیں تاریخ انسانی کے سورماؤں اور قوموں کے قائدین کے درمیان بے مثال دوام بخش دیا۔ انھوں نے فوج کے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "کسی کا مثلہ (انسانی جسم کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا) نہ کرنا، چھوٹے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا، کھجور کے گوبوں کو مت کاٹنا اور نہ انھیں جلانا، کسی پھل دار درخت کو مت کاٹنا اور بکری، گائے اور اونٹ وغیرہ کو کھانے کے علاوہ یوں ہی نہ ذبح کرنا۔ عنقریب تمھارا گزر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوگا جنھوں نے خانقاہوں میں عبادت کے لیے اپنے آپ کو فارغ کر رکھا ہے تو انھیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔" یہ نصیحتیں اس امت مسلمہ کے لیے ہے جو صلح جوئی کے جذبے کے ساتھ دشمن سے جنگ کرتی ہے۔ اور اس کا شیوہ ہے کہ وہ کبھی ظلم وزیادتی کرنے والی امت نہیں بنی۔ اور نہ انتقامی جذبے کے تحت کبھی دشمن قوم کے اندر کسی طرح کی تخریب کارانہ کارروائی کی۔

۷۔ اسی طرح گھمسان کے معرکے میں جب جنگ جو گروپ آمادۂ صلح ہو جائیں تو ہمیں بھی دشمن کی جانب سے صلح کی پیش کش قبول کر لینی چاہیے۔ خواہ ہم فتح یابی کے قریب ہی کیوں نہ پہنچ گئے ہوں۔ پھر صلح کا معاہدہ طے پا جانے کے بعد ہمیں اس کی پاس داری بھی کرنی چاہیے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ﴿۳۴﴾ (بنی اسرائیل: ۳۴)

"عہد کی پابندی کرو، بے شک عہد کے بارے میں تم کو جواب دہی کرنی ہوگی۔"

پھر اگر ان کی جانب سے نقض عہد اور خیانت کا اظہار ہو تو ہمارے لیے یہ جائز نہیں ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ یکا یک ان پر حملہ کر دیں۔ بلکہ ہمیں انھیں باخبر کرنا ہوگا کہ ان کے اور ہمارے درمیان جو عہد تھا وہ ختم ہو گیا۔ اور انھیں بھی ہمارے ساتھ جنگ کی تیاری کا موقع دینا چاہیے۔ قرآن میں اِسی کو نبذ (عہد توڑنے) سے تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

وَ اِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ (الانفال:۵۸)

"اور اگر کبھی تمھیں کسی قوم سے خیانت کا اندیشہ ہو تو اس کے معاہدے کو علانیہ اس کے آگے پھینک دو، یقیناً اللہ خائنوں کو پسند نہیں کرتا۔"

۸- جب معرکہ ختم ہو جائے، دشمن مغلوب اور امت مسلمہ غالب ہو جائے تو مسلمانوں کو ان ساری بُری حرکتوں سے باز رہنا ہے جو دوسری فاتح اقوام کا طرۂ امتیاز ہے۔ یہاں نہ عزت و آبرو پر حملے ہوں گے، نہ شہروں اور آبادیوں کو تباہ و برباد کیا جائے گا۔ نہ مغلوب قوم کے مال و اسباب سلب کیے جائیں گے اور نہ شرفا کی تذلیل کی جائے گی۔ اور نہ انتقام کا بازار گرم کیا جائے گا۔ بلکہ اس کے مغلوب قوم کے لوگوں کے عقیدہ و عمل کی اصلاح کی جائے گی۔ انھیں ہر طرح کی مذہبی آزادی دی جائے گی، ان کے درمیان عدل و انصاف اور بھلائی کو عام کیا جائے گا۔ اور شر کو ہر ممکن طریقے سے مٹانے کی کوشش کی جائے گی۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾ (الحج:۴۱)

"یہ وہ لوگ ہیں جنھیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور ناپسندیدہ کاموں (برائی) سے منع کریں گے۔ اور معاملات کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔"

یہ آیت غالب گروہ کے لیے ایک واضح نص (رہنمائی) ہے کہ اُنھیں فتح و غلبہ کے حصول کے بعد کیا کرنا چاہیے۔ اور وہ چار بڑے اہم کام یہ ہیں:

(الف) نماز قائم کرنا، یہ اس بات کی علامت ہے کہ اسلام دنیا میں روحانی بلندی کو عام کرنا چاہتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(ب) زکوٰۃ دینا، یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ اسلام قوموں کے درمیان عدل اجتماعی کو بروئے کار لانا چاہتا ہے۔

(ج) بھلائی کا حکم دینا، اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام ہر اس کام میں تعاون کا خواہاں ہے جس میں لوگوں کے لیے بھلائی ہو، اور اس میں ان کے لیے امن و شانتی اور سعادت و خوش بختی کا سامان ہو۔

(د) ناپسندیدہ کاموں (برائی) سے منع کرنا، یہ شر کی قوتوں کے مقابلے میں کھڑے ہونے کی علامت ہے۔ کیوں کہ یہی قوتیں ہیں جو جنگ کے لیے جلدی کرتی ہیں اور لوگوں سے امن و شانتی اور حفظ و امان چھین لیتی ہیں۔ یہی وہ بلند ترین کام ہیں جنھیں تہذیبی لحاظ سے انسانیت کے انتہائی ترقی یافتہ دور میں کوئی متمدن قوم سرانجام دیتی ہے۔ اور وہ دور انسانیت کے لیے نہایت خیر و برکت کا دور ہوتا ہے۔

۹- جہاں تک قیدیوں کا معاملہ ہے تو اسلام ان کو نامناسب سزا دینے یا ان کے جسم کا مثلہ کرنے کو ناجائز قرار دیتا ہے۔ اسی طرح نہ اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ انھیں شدید بھوک اور فاقہ کشی سے دوچار کیا جائے۔ اسلام تو قیدیوں کو کھانا کھلانے کو باعث اجر و ثواب قرار دیتا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کا ذکر کرتے ہوئے، قیدیوں کو کھانا کھلانے کو ان کی خاص خوبی کے طور پر بیان کیا ہے اور وہ یوں ہے:

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا۝۸ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا۝۹ (الدھر: ۸،۹)

”اور وہ مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں، اس کی چاہت کے باوجود اور (اس جذبے کے ساتھ کہ) ہم تمھیں صرف اللہ کی خوشنودی کے لیے کھلاتے ہیں۔ ہم تم سے کسی بدلے اور شکریہ کے طالب نہیں ہیں۔“

پھر حاکم وقت کو اختیار دیا گیا ہے، چاہے وہ قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑے یا چاہے تو بے فدیہ لیے چھوڑ دے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی ہے:

حَتّٰٓى اِذَآ اَثْخَنْتُمُوْهُمْ فَشُدُّوا الْوَثَاقَ ۙ فَاِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَ اِمَّا فِدَآءً

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

حَتّٰی تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا ۚ (محمد:۴)

''یہاں تک کہ جب تم اُنھیں اچھی طرح کچل دو تب قیدیوں کو مضبوط باندھو، اس کے بعد (تمھیں اختیار ہے) یا تو احسان کر کے چھوڑ دو یا فدیہ لے کر، تا آنکہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے۔''

اس آیت میں کوئی بھی اشارہ اس بات کا نہیں ہے کہ قیدیوں پر غلامی لاگو کی گئی ہے، بلکہ قرآنی آیات میں ایک بھی ایسی آیت نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہوتا ہو کہ اسلام قیدیوں اور مغلوب قوم پر غلامی لاگو کرتا ہے۔ جہاں تک رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں اور آپؐ کے بعد غلامی کو لاگو کرنے کا معاملہ ہے وہ تو اس وقت ایک عام رواج تھا اور ساری قوموں کے درمیان ایک تسلیم شدہ ضابطہ تھا۔ دشمن جب مسلمانوں پر غالب آتا تو انھیں غلام بنالیتا۔ اسی طرح مسلمان جب دشمن پر غالب آتے تو وہ بھی انھیں جیسا معاملہ کرتے، اور یہ متحارب قوموں کے درمیان ایک امر مسلم تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور آپؐ کے بعد کے لوگوں نے جو کیا وہ اس وقت کی ایک سیاسی ضرورت تھی اور اس وقت کی عالمی اجتماعی صورتِ حال کا تقاضا بھی تھا۔ یہ اسلام کا کوئی اٹل قانون نہیں تھا کہ جس کو چھوڑا نہ جاسکتا ہو۔ گرچہ اسلام اس وقت جنگی اور اقتصادی ضرورت کے سبب غلامی کا کلیتاً خاتمہ نہ کر سکا، لیکن اس نے اپنے قانون و شریعت میں اس کے خاتمے کے لیے مستقل بنیاد رکھ دی۔ اگر اسلام نے دشمنوں کو سزا دینے کے لیے ایک ہنگامی ضرورت کے تحت غلامی کو اختیار کیا تو اس نے دوسری طرف غلاموں کی آزادی کے لیے اتنے زیادہ دروازے کھول دیے کہ کسی دوسرے قوانین میں اس کی مثال نہیں ملتی ہے۔ اسلام نے حکومت کو بھی ہدایت دی ہے کہ وہ عدلِ اجتماعی کے بجٹ میں سے ایک حصہ غلاموں کی آزادی کے لیے مختص کرے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِيْنَ وَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶۰ (التوبۃ:۶۰)

''صدقات تو بس محتاجوں، مسکینوں اور ان لوگوں کے لیے ہیں جو صدقات کے کام پر

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

مامور ہیں اور ان کے لیے جن کی تالیفِ قلب مطلوب ہو۔ نیز یہ گردنوں کے چھڑانے اور قرض داروں کی مدد کرنے میں اور راہِ خدا میں اور مسافر نوازی میں استعمال کے لیے ہیں۔ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ایک فریضہ ہے اور اللہ سب کچھ جاننے والا دانا و بینا ہے۔"

قرآن نے غلاموں کی آزادی سے متعلق زکوٰۃ کی مدّات میں سے ایک مدِ خاص کا ذکر کر کے ثابت کر دیا کہ اسلام کو اس معاملے میں امریکہ کے غلاموں کی آزادی کی تحریک پر دسیوں صدی کی سبقت حاصل ہے۔

اسلام نے انسانی اقدار سے ہم آہنگی کے اظہار کے لیے جو عظیم کارنامہ انجام دیا ہے، وہ یہ ہے کہ انہیں حقارت و ذلت سے نکال کر عزت و احترام کا مقام دیا۔ اور انہیں سماج کے اندر وہی انسانی حیثیت دی جو دوسروں کو حاصل ہے۔ اور اس بات کی تاکید کی کہ اُن کے ساتھ احرار جیسا معاملہ کیا جائے۔ چناں چہ ارشادِ نبوی ہے:

اِخوَانُکُم خَوَلُکُم جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحتَ اَیدِیکُم، فَمَن کَانَ اَخُوهُ تَحتَ یَدِهِ فَلْیُطعِمهُ مِمَّا یَاکُلُ، وَلْیُلبِسهُ مِمَّا یَلبَسُ، وَلَا تُکَلِّفُوهُم مَا یَغلِبُهُم، فَاِن کَلَّفتُمُوهُم فَاَعِینُوهُم۔ (بخاری)

"تمہارے غلام تمہارے بھائی ہیں، اللہ نے انھیں تمہارا ماتحت بنایا ہے تو جس کا بھائی اس کا ماتحت ہو اسے چاہیے کہ جو خود کھائے اُسی میں سے اسے کھلائے اور جو خود پہنے اسی میں سے اُسے پہنائے، اور ان پر ناقابل برداشت بوجھ نہ ڈالو اور اگر ان پر ایسا بوجھ ڈال دو تو اس بوجھ کے اٹھانے میں ان کی مدد کرو۔"

اس طرح غلام مسلمان گھر کے اندر گھُل مِل کر رہتا ہے، یہاں تک کہ اس کا ایک فرد بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غلاموں نے اسلامی معاشرے میں عزت و احترام کا وہ مقام حاصل کیا، جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔ بعض تو اسلامی ملکوں اور ریاستوں میں اعلیٰ مناصب پر فائز ہوئے۔ تاریخ اسلامی کے بیش تر ادوار میں غلاموں کی اولاد میں سے مسلمانوں کے خلیفہ بھی ہوئے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۱۰- مسلمانوں کے لیے اسلام کی سخت تاکید ہے کہ وہ مغلوب اقوام کے عقائد، جان و مال اور ان کی عبادت گاہوں کا احترام کریں۔ حکومت انھیں ہر طرح کا تحفظ فراہم کرے گی، انھیں مکمل طور پر شہری حقوق حاصل ہوں گے اور ان سے مطالبہ صرف یہ ہوگا کہ وہ مخلصانہ طور پر حکومت کے وفادار رہیں۔ وہ ایک معمولی رقم حکومت کو بہ طور جزیہ ادا کریں گے۔ غالب اقوام اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد بھی مغلوب اقوام پر اس طرح کا ٹیکس عاید کرتی رہی ہیں۔ موجودہ دور میں بھی حکومتیں اپنے عوام پر بہت سے حالات میں مختلف طرح کا ٹیکس عاید کرتی رہتی ہیں۔ لیکن اسلام میں جزیہ کی حیثیت دوسری اقوام کے عاید کردہ ٹیکسوں سے یکسر مختلف ہے۔ اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جزیہ سے متعلق چند ضروری وضاحتیں

ا۔ جزیہ اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد مختلف ناموں سے اقوام عالم میں رائج رہا ہے۔ اور یہ مغلوب اقوام پر اُنھیں ذلیل کرنے اور اُنھیں نفسیاتی لحاظ سے پست کرنے کے لیے لاگو کیا جاتا رہا ہے۔ اس طرح مغلوب اقوام سے انتقام لینے کی بغض وعناد پر مبنی یہ ایک کارروائی تھی۔ لیکن اسلام نے مغلوب اقوام پر جزیہ اس لیے لاگو کیا تا کہ ان کے عقائد، ان کے اموال اور عزت وناموس کی حفاظت کرے۔ اور انھیں اس لائق بنائے کہ وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ شہری حقوق سے یکساں طور پر متمتع ہو سکیں۔ اس کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ مسلمان فاتحین اور مغلوب اقوام کے درمیان طے پانے والے معاہدوں میں ان کے عقائد اور اموال کی حمایت و حفاظت کا بہ طور خاص ذکر ہوتا تھا۔ اسی طرح کا ایک معاہدہ مسلمانوں کے عظیم سپہ سالار خالد بن ولیدؓ نے ''ناطف'' نام کے ایک عیسائی پادری کے ساتھ کیا تھا:

إِنِّيْ عَاهَدْتُكُمْ عَلَى الْجِزْيَةِ وَالْمَنَعَةِ فَإِنْ مَنَعْنَاكُمْ فَلَنَا الْجِزْيَةُ وَإِلَّا فَلَا حَتّٰى نَمْنَعَكُمْ (بلاذری)

''میں نے آپ لوگوں سے جزیہ اور حفاظت کا معاہدہ کیا ہے۔ اگر ہم آپ کی حفاظت کریں تو ہمیں جزیہ لینے کا حق ہوگا، ورنہ ہمیں جزیہ لینے کا کوئی حق نہ ہوگا جب تک کہ ہم آپ کی حفاظت نہ کریں۔''

اِن معاہدات سے متعلق ایسے روشن تاریخی شواہد موجود ہیں جو بغیر کسی شک وتردد کے

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

اِس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ مسلمانوں نے ہمیشہ جزیہ اُسی اصول کی بنیاد پر لیا ہے جو سابقہ سطور میں بیان ہوا ہے۔ اسلامی تاریخ سے واقف ہر شخص جانتا ہے کہ خالد بن ولیدؓ نے کس طرح اہلِ حمص کا جزیہ واپس کر دیا تھا۔ اور ابو عبیدہ بن جراحؓ نے اہلِ دمشق کا جزیہ اُن کو لوٹا دیا تھا۔ اسی طرح دوسرے مسلمان سپہ سالار جب معرکۂ یرموک سے پہلے ملک شام چھوڑنے پر مجبور ہوئے تو انھوں نے تمام مفتوحہ شہروں کے باشندوں سے جو جزیہ لیا تھا وہ سب انھیں واپس کر دیا۔ اور اُن شہروں کے باشندوں سے مسلمان سپہ سالاروں نے صاف لفظوں میں کہا:

> "ہم نے آپ کے جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت وحمایت کے لیے آپ سے جزیہ لیا تھا۔ اب ہم آپ کی حمایت وحفاظت نہیں کر سکتے ہیں، تو یہ آپ کے اموال ہیں جو ہم آپ کو واپس کر رہے ہیں۔"

۲۔ دوسری اقوام میں جزیہ مغلوب اقوام کے استحصال اور ان کا مال ہڑپنے کے لیے ہوتا تھا۔ اور جزیہ کی مقدار اتنی زیادہ ہوتی تھی کہ اس کی ادائی ان کے بس سے باہر ہوتی تھی۔ لیکن اسلام نے مفتوح اقوام پر جو جزیہ عاید کیا اس کا استحصال یا مغلوب اقوام کے مال کی لالچ سے ادنیٰ تعلق بھی نہ تھا۔ جنگ میں حصہ لینے والوں اور کام کی قدرت رکھنے والوں سے جزیہ کی بہت معمولی مقدار لی جاتی تھی۔ اور یہ تین طرح کے لوگوں سے الگ الگ مقدار میں لیا جاتا تھا۔

(ا) جزیہ کی سب سے بڑی مقدار ۴۸ / درہم اغنیا سے سالانہ لی جاتی تھی، چاہے ان کے پاس کتنا ہی مال و دولت ہو۔

(ب) جزیہ کی اوسط مقدار ۲۴ / درہم تھی۔ یہ تاجروں اور کسانوں سے سالانہ لی جاتی تھی۔

(ج) جزیہ کی سب سے کم مقدار ۱۲ / درہم تھی جو پیشہ ور عاملوں سے سالانہ لی جاتی تھی اگر وہ باکار ہوتے تھے۔

ایک مسلمان صرف اپنے مال کی جتنی زکوٰۃ ادا کرتا ہے، اس کے مقابلے میں یہ مقدار کسی لحاظ سے قابلِ ذکر نہیں ہے۔ پھر بھی ہم آئندہ سطور میں اس بات کا واضح طور پر جائزہ لیں گے۔

فرض کر لیجیے اگر ایک مسلمان مال دار ایک ملین (دس لاکھ) درہم کا مالک ہے تو سو میں ڈھائی فی صد کے حساب سے اس پر سالانہ ۲۵ / ہزار درہم زکوٰۃ واجب ہوگی اور یہ زکوٰۃ کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

فرضیت کی جو شرعی مقدار ہے اس کے حساب سے ہوگا۔

لیکن اگر اس مسلمان کا ایک عیسائی پڑوسی بھی ایک ملین درہم کا مالک ہے تو اُسے سالانہ صرف ۴۸ درہم ہی بہ طور جزیہ ادا کرنا ہوگا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہوا کہ ایک عیسائی جزیہ کے طور پر حکومت کو جتنا دے گا، مسلمان اس سے ۵ سو گنا زیادہ حکومت کو بہ طور زکوٰۃ دے گا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اسلام مغلوب اقوام کے ساتھ استحصال کا معاملہ ہرگز نہیں کرتا ہے۔

اسلامی نظام میں جن لوگوں پر جزیہ لاگو کیا جاتا ہے ان کے تعلق سے اس بات کی بھرپور رعایت کی جاتی ہے کہ وہ جزیہ ادا کرنے کی پوزیشن میں ہیں یا نہیں۔ اِسی بنا پر فقیروں، بچوں، عورتوں، عبادت میں لگے ہوئے راہبوں، نابیناؤں، بے روزگاروں اور بیماروں سے جزیہ ساقط کر دیا جاتا۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی دلیل عہدِ اسلامی کے نامور سپہ سالار حضرت خالد بن ولیدؓ کے دور کا وہ معاہدہ ہے جو انھوں نے ناطف نامی پادری کے ساتھ کیا تھا، جس کے الفاظ یہ ہیں:

> ''میں نے آپ لوگوں سے معاہدہ کیا ہے کہ ہر ایک باروزگار سے جزیہ لیا جائے گا اور آپ سب لوگوں کی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی حکومت کے ذمے ہوگی۔ اور یہ جزیہ ہر شخص سے اس کی حیثیت کے مطابق لیا جائے گا۔ مال دار سے اس کی مالی پوزیشن کے مطابق اور فقیر و محتاج سے اس کے فقر و محتاجی کے مطابق جزیہ لیا جائے گا۔''

۳۔ مسلمانوں سے پہلے دوسری اقوام کے یہاں جزیہ دینے والوں کے لیے غالب قوم کی فوج میں بھرتی ہونے اور فاتح قوم کے مجد و شرف اور ان کے توسیع اقتدار کی راہ میں خون بہانے سے رخصت نہیں تھی۔ بلکہ وہ لوگ جزیہ بھی دیتے تھے اور جنگ کے لیے جبراً ہانک کر لے جائے جاتے تھے۔

لیکن اسلام نے اپنے دور میں مفتوح اقوام کے لوگوں کو فوجی خدمت سے مکمل طور پر رخصت دے رکھی تھی۔ چوں کہ اسلام ساری دنیا میں اسلامی آزادی کے پیغام کو پہنچانے کے لیے اس راہ کی مزاحم قوتوں سے نبرد آزما تھا۔ اس لیے یہ بات عدل و انصاف کے منافی تھی کہ ایک ایسی قوم جو اس پیغام (اسلام) کے اصول و مبادی کو نہ مانتی ہو اس کے نوجوانوں کو اس کی راہ میں جنگ کرنے اور خون بہانے کے لیے آگے بڑھایا جائے۔ چناں چہ یہی وجہ ہے کہ ذمیوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

(اسلامی مملکت میں رہنے والی غیر مسلم رعایا) کو اسلامی لشکر میں ہر طرح کی عسکری خدمت سے کلیتًا رخصت دے دی گئی تھی۔ اس سلسلے میں اُن متعصب ناقدین کی رائے بالکل درست نہیں ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ذمیوں کو فوجی خدمت سے رخصت اس وجہ سے حاصل تھی کہ ان کے اندر جنگی صلاحیت نہیں ہوتی تھی اور وہ شرفِ جہاد سے پوری طرح واقف نہیں تھے۔

ہم نے جو بات کہی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر اسلامی مملکت کا کوئی ذِمّی رضا کارانہ طور پر لشکرِ اسلامی میں فوجی خدمت انجام دینا چاہتا ہے تو اس کی اس خدمت کو قبول کیا جائے گا اور اس سے جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ اس طرح آج ہمارے اس دور کی اصطلاح میں جزیہ فوجی خدمت سے رخصت کا معاوضہ ہے۔

۴۔ اسلام سے پہلے غالب اقوام مغلوب اقوام کا کوئی حق تسلیم نہیں کرتی تھیں۔ یہاں تک کہ ان کے فقرا و مساکین اور بیماروں کا بھی کوئی حق نہیں تھا۔ ان سے ناقابلِ برداشت حد تک جزیہ اور ٹیکس وصول کیا جاتا تھا اور ان کے محتاج لوگوں کو کچھ نہیں دیا جاتا تھا۔ بلکہ جزیہ دینے والے مال دار کو بھی حاجت مند ہونے کی صورت میں انھیں غربت، بھوک اور مرض میں مبتلا حالت میں چھوڑ دیا جاتا تھا۔ اس کے برعکس اسلام نے سارے ذمیوں کے لیے خواہ وہ جزیہ دیتا ہو یا فقر و کم سنی کے سبب جزیہ نہ دیتا ہو اپنی طرف سے ان کے لیے اجتماعی ضمانت کا اعلان کیا ہے۔ اسلام ذمیوں کو مسلمانوں کی طرح مملکت کی رعایا سمجھتا ہے۔ اسلام اس بات کو حکومت کی ذمہ داری قرار دیتا ہے کہ وہ ذمیوں کو باعزت زندگی کی ضمانت فراہم کرے، تاکہ اُنھیں سوال کی ذلت اور غربت کی تلخی گوارا کرنے کے لیے مجبور نہ ہونا پڑے۔

جہاں تک اُن نصوصِ قرآنی کا تعلق ہے جو پریشان حال لوگوں اور محتاجوں کی کفالت کا حکم دیتی ہیں وہ صرف مسلمانوں کے لیے مخصوص نہیں ہیں، بلکہ وہ عام ہیں اور سماج کے ہر طبقے کے لیے یکساں حکم رکھتی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ (بنی اسرائیل:۲۶)

”رشتہ دار کو اس کا حق دو اور مسکین اور مسافر کو اس کا حق دو۔“

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

وَ فِیْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ﴿۱۹﴾ (الذاریات:۱۹)

''اوران کے مالوں میں سائل اور محروم کا حق ہے۔''

حضرت خالد بن ولیدؓ نے اہل حیرہ (جگہ کا نام ہے) کے ساتھ جو معاہدہ کیا تھا اس میں صراحتاً مذکور ہے:

''جو عمر رسیدہ لوگ از کار رفتہ ہو گئے یا جن پر کوئی افتاد آ پڑی یا مال دار تھے اور غریب ہو گئے۔ اوران کے ہم مذہب لوگ انھیں صدقہ دینے لگے تو ایسے سب لوگوں سے جزیہ ساقط ہو جائے گا۔ اوران کی اوران کے اہل وعیال کی مالی کفالت کی ذمے داری مسلمانوں کے بیت المال پر ہوگی۔'' (کتاب الخراج، ابو یوسف)

حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اس عظیم اسلامی اصول کو پوری طرح نافذ کیا تھا۔ ایک باران کا گزر ایک عمر رسیدہ شخص کے پاس سے ہوا جو لوگوں سے صدقہ مانگ رہا تھا۔ جب آپ نے اس سے اس کے احوال دریافت کیے تو معلوم ہوا کہ وہ جزیہ دینے والوں میں سے ہے۔ آپ نے اس کا ہاتھ پکڑا اوراسے اپنے گھر لے گئے اور گھر میں جو کچھ کھانا کپڑا میسر تھا اس سے اس کو نوازا۔ پھر اسے لے کر بیت المال کے ناظم کے پاس گئے اوراس سے کہا:

''اس شخص کا اوراس جیسے دوسرے لوگوں کا خیال رکھو اور انھیں اسلامی حکومت کے خزانے سے اتنا وظیفہ دو جوان کے اوران کے اہل وعیال کے لیے کافی ہو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ ''صدقات تو فقرا و مساکین کے لیے ہیں۔'' فقرا تو مسلمان ہیں اور مساکین اہل کتاب ہیں۔'' (بلاذری)

۵۔ اسلام سے پہلے مغلوبین پر ہر حال میں جزیہ لاگو کیا جاتا تھا۔ لیکن اسلام میں ایسا کبھی نہیں ہوا۔ بلکہ سربراہ مملکت کو اس بات کا حق حاصل ہے کہ چاہے تو سارے ذمیوں سے جزیہ ساقط کر دے۔ جیسا کہ ابو عبیدہؓ نے اردن میں سامرہ اور فلسطین کے عیسائیوں سے جزیہ ساقط کر دیا تھا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے مَلِک شہریار اوراس کی قوم سے جزیہ اس وجہ سے ساقط کر دیا تھا کہ انھوں نے ان کے ساتھ دشمنوں سے جنگ کرنے کا معاہدہ کر لیا تھا۔ اور حضرت معاویہؓ نے ارمینیا کے باشندوں کو تین سال کے لیے جزیہ سے مستثنیٰ کر دیا تھا۔ فقہ اسلامی کا یہ ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

معروف تسلیم شدہ اصول ہے کہ جو ذمّی بھی اسلامی فوج میں داخل ہوگا یا اسلامی حکومت میں مفادِ عامہ کی کسی بھی خدمت کے لیے اپنے آپ کو پیش کرے گا تو اس کو جزیہ کی ادائی سے استثنا حاصل ہو جائے گا۔

۶۔ اسلام سے پہلے فاتحین کے علاوہ سارے لوگوں پر جزیہ لاگو کیا جاتا تھا، خواہ انھوں نے فاتح نظام کے ساتھ جنگ کی ہو یا نہ کی ہو۔ لیکن اسلام صرف اپنے دشمنوں میں سے ان پر جزیہ لاگو کرتا ہے جو اس سے آمادۂ جنگ رہے ہوں۔ جہاں تک عام غیر مسلم باشندوں کا تعلق ہے تو وہ لوگ جو لشکرِ اسلامی سے برسرِ جنگ نہیں رہے ہیں ان سے جزیہ نہیں لیا جائے گا۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تغلب کے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ اگر ہم قرآن میں آیتِ جزیہ کا مطالعہ کریں تو ہم دیکھیں گے کہ وہ یہی کہتی ہے:

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ لَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ لَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَ لَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّ هُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ (التوبۃ:۲۹)

”جنگ کرو اہل کتاب میں سے اُن لوگوں کے خلاف جو اللہ اور روزِ آخر پر ایمان نہیں لاتے اور اللہ اور اس کے رسولؐ نے جو کچھ حرام ٹھہرایا ہے اس کو حرام نہیں ٹھہراتے اور دینِ حق کو اپنا دین نہیں بناتے۔ (اُن سے لڑو) یہاں تک کہ وہ استطاعت کے مطابق جزیہ دیں اور چھوٹے بن کر رہیں۔“

اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ جب ہم اہل کتاب سے جنگ کے بعد ان پر غالب ہوں گے تو ہمیں وہ جزیہ دیں گے۔ اور ہم ہر ایک اہل کتاب سے جنگ نہیں کریں گے، بلکہ ہماری جنگ تو اُن سے ہوگی جو ہم سے برسرِ جنگ ہوں گے اور ہمارے خلاف ہتھیار اٹھائیں گے یا اسلامی مملکت کے لیے خطرہ بنیں گے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ (البقرہ:۱۹۰)

”تم اللہ کی راہ میں اُن لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔ اور زیادتی نہ کرو، اللہ تعالیٰ

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا ہے۔“

جزیہ والی آیت میں لڑائی کا حکم صرف ان کے لیے ہے جو ہم سے لڑیں۔ اور جن لوگوں نے ہم سے جنگ نہیں کی، ان سے جنگ کرنا کھلی زیادتی ہے۔ اللہ تعالیٰ زیادتی کسی حال میں پسند نہیں کرتا، اس بات کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ لَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَ اَخْرَجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ وَ ظٰهَرُوْا عَلٰٓي اِخْرَاجِكُمْ اَنْ تَوَلَّوْهُمْ ۚ (الممتحنہ:۸،۹)

”اللہ تمھیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں کے ساتھ نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنھوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی ہے اور تمھیں تمھارے گھروں سے نہیں نکالا ہے۔ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ جس بات سے روکتا ہے وہ تو یہ ہے کہ ان لوگوں سے دوستی کرو جنھوں نے تم سے دین کے معاملے میں جنگ کی ہے اور تمھیں تمھارے گھروں سے نکالا ہے اور تمھارے نکالنے میں ایک دوسرے کی مدد کی ہے۔“

اس میں کوئی شک نہیں کہ جو اہل کتاب (یہودی و عیسائی) اسلامی مملکت میں مسلمانوں کے ساتھ رہتے بستے ہیں اور تعمیر و ترقی کے کاموں میں مخلصانہ شرکت کرتے ہیں، اور ملک کے ساتھ ان کی وفاداری ہے تو ایسے لوگوں سے لڑائی کرنا بالکل جائز نہیں ہے۔ اور ایسے لوگوں سے جزیہ بھی نہیں لیا جائے گا۔

اوپر جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہی مفہوم دراصل جزیہ اور جنگ کی آیتوں سے بالکل واضح طور پر ابھر کر ہمارے سامنے آتا ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں جزیرۂ عرب کے عیسائیوں اور یہودیوں سے جو جزیہ لیا تھا وہ بھی آپؐ نے آیتِ جزیہ پر عمل کرتے ہوئے ایسا کیا تھا۔ آپؐ نے ان سے جزیہ اس لیے لیا تھا کہ اُنھوں نے اسلام سے باقاعدہ جنگ کی اور اس کے خلاف ریشہ دوانیاں کیں اور اس کے دشمنوں (ایرانیوں اور رومیوں) کے ساتھ اس کے خلاف

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

معاہدہ کیا۔ اسی طرح مسلمانوں نے جب بلادِ شام، مصر اور فارس کو فتح کیا تو وہاں کے اہلِ کتاب سے جزیہ لیا۔ کیوں کہ جن ممالک کے وہ باشندے تھے انھوں نے اسلامی مملکت کے خلاف اعلانِ جنگ کر رکھا تھا اور دشمنی ٹھان رکھی تھی۔ چوں کہ یہود و نصاری نے بھی اپنے ملکوں کے ساتھ اسلام کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا اِس لیے ان پر جزیہ عاید کیا گیا۔

البتہ اسلامی فتوحات کے بعد کے ادوار میں جزیہ لینے کا عمل مسلسل باقی رہا، جب کہ اہل کتاب مسلمانوں کی طرح اسلامی مملکت کے مخلص اور وفادار رعایا بن چکے تھے، تو یہ مطالبہ اسلام کا نہیں بلکہ مسلمان امرا اور حکمرانوں کا تھا۔ اور اس وقت ہماری گفتگو کا موضوع اسلام میں جزیہ کا نظام ہے نہ کہ اسلامی مملکت میں جزیہ کی تاریخ۔

یہ بات پوری وضاحت سے آ چکی ہے کہ جزیہ صرف ان لوگوں پر عاید کیا جائے گا جو مسلمانوں سے برسرِ جنگ ہوں۔ لیکن بعض متعصبین اور قوم پرست اسلام پر یہ اعتراض وارد کرتے ہیں کہ امن و جنگ میں نظامِ اسلامی کا نفاذ اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ آج بھی مسلم ملکوں میں رہنے والے غیر مسلموں سے جزیہ لیا جائے۔ حالاں کہ یہ بات جدید دور میں اسٹیٹ کے مفہوم سے ہم آہنگ نہیں ہے اور ان شہریوں کے بہت سے گروپ اس بات کو قبول نہیں کریں گے جو کہ اسٹیٹ کے ساتھ وفاداری کا تعلق رکھتے ہیں۔ گرچہ وہ عوام کی اکثریت کے عقیدے کے مخالف ہیں۔ ہم یہاں یہ بات دوبارہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ جزیہ صرف اس پر لاگو کیا جائے گا جو مملکتِ اسلامی کے خلاف اپنی دشمنی کا اعلان کرے۔ اور وہ مملکتِ اسلامی کا فرد نہ ہو، بلکہ کسی دشمن ملک کا باشندہ ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ جزیہ اسلام کی نگاہ میں مملکت کے نظم و انصرام میں کسی اساسی حیثیت کا حامل نہیں ہے بلکہ حالات و ظروف کے لحاظ سے اس میں تبدیلی ممکن ہے۔ اسی لیے سربراہِ مملکت کو اختیار ہے کہ وہ جب چاہے مصلحت کے مطابق اس کو ساقط کر دے۔

جزیہ سے متعلق دو شبہات کا ازالہ

ہم نے سابقہ سطروں میں ذکر کیا ہے کہ جزیہ کے اندر ذلت و حقارت کا مفہوم نہیں ہے۔ اس سلسلے میں بعض لوگوں کے دلوں میں کچھ سوالات پیدا ہو رہے ہوں گے۔ ہم یہاں انھیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

واردات قلبیہ کا جائزہ لیں گے۔ مثلاً کوئی کہہ سکتا ہے: جب معاملہ یہ ہے جیسا کہ آپ نے بیان کیا ہے تو آیتِ جزیہ میں لفظ صِغَارٌ کے کیا معنی ہوں گے: "حَتّٰی یُعْطُوْا الجِزْیَةَ عَنْ یَدٍ وَّ هُمْ صَاغِرُوْنَ؟" اور بعض اسلامی ادوار میں ذمیوں سے کیوں انتہائی حقارت آمیز طریقے سے جزیہ لیا جاتا تھا؟

آیتِ جزیہ سے متعلق صحیح جواب جاننے کے لیے ضروری ہے کہ آیتِ مذکورہ کی ایسی تفسیر کی جائے جو اسلام کے عام اصولوں سے ہم آہنگ ہو اور اس سلسلے میں یہ بات بھی نگاہ میں رہے کہ نبی ﷺ اور خلفاے راشدین نے اسلام کے زریں دور میں اہل کتاب سے کس طرح جزیہ لیا تھا۔ آپ نے گزشتہ صفحات میں دیکھا ہے کہ اسلام نے اہل کتاب کے عقائد، ان کے اموال اور ان کی عبادت گاہوں کے احترام کی کس قدر تاکید کی ہے۔ اسی طرح انھیں کسی بھی قسم کی ایذا پہنچانے سے قطعی طور پر منع کیا گیا ہے، چاہے وہ زبان ہی کی حد تک کیوں نہ ہو۔ جس طرح کسی مسلمان کی غیبت کرنے سے روکا گیا ہے اسی طرح ان کی غیبت کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

اس سلسلے میں ہم جب اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اہل کتاب سے جزیہ وصول کرنے کے معاملے میں نہ نبیِ اکرم ﷺ کی جانب سے اور نہ ہی خلفاے راشدین کی جانب سے کوئی ایک ایسا واقعہ ملتا ہے کہ اہل کتاب کے ساتھ کوئی ایسا سلوک کیا گیا ہو جسے ذلت اور حقارت پر محمول کیا جاسکے۔ اہل کتاب سے کبھی اس طرح سے جزیہ نہیں لیا گیا جس سے ان کے ساتھ کسی طرح کی بدسلوکی یا حقارت کا اظہار ہوتا ہو۔ اسلام نے تو اہل کتاب کو ایذا پہنچانے سے منع کیا ہے، حتیٰ کہ ان کی غیبت کرنا بھی منع ہے (تو بھلا ان کے ساتھ ذلت وحقارت کا معاملہ کرنا کیسے جائز و درست ہوسکتا ہے۔) چوں کہ رسول اللہ ﷺ ہی ہمارے لیے شارع ہیں اس لیے آپ ہی کا اسوہ ہمارے لیے قابل اتباع ہے۔ خلفائے راشدین نبی ﷺ کی صحبت میں آپ کے سب سے زیادہ قریب رہے ہیں اور آپؐ کی لائی ہوئی شریعت کو سب سے زیادہ مضبوطی سے پکڑنے والے تھے۔ لیکن ان سے متعلق جزیہ کی وصولیابی کے تعلق سے اہانت وحقارت کا کوئی ایک واقعہ بھی منقول نہیں ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ ہم آیت جزیہ کو اس طرح نہ سمجھیں جس طرح بعض لوگوں نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسے سمجھا ہے۔ اس لیے ہم اللہ تعالیٰ کے قول "عَنْ يَّدٍ" میں "يَد" کی تفسیر قدرت، استطاعت اور طاقت سے کرتے ہیں۔ ہمیں نصوصِ قرآنی اور عربی زبان وادب میں ایسے شواہد ملتے ہیں جو اس معنی کی تائید کرتے ہیں۔ آپ خالد بن ولیدؓ کے عہد میں ناطف پادری کے ساتھ طے پانے والے معاہدے کی تحریر میں دیکھ چکے ہیں کہ حضرت خالدؓ کا قول "عَلىٰ كُلِّ ذِيْ يَدٍ" ہے، جس کے معنی ہیں ہر صاحب قدرت پر، اور ہم یہ بات بتا چکے ہیں کہ جزیہ صرف ان لوگوں پر عاید ہوگا جو اُس کی ادائی پر قادر ہوں۔ اِسی بنا پر چھوٹے بچوں، درماندہ لوگوں، فقرا، راہبوں اور خواتین کو اس سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔

رہا اللہ تعالیٰ کا قول: "وَهُمْ صَاغِرُوْن" تو یقینی طور پر یہاں صَغَار ذلت وحقارت کے بہ جائے خُضُوع (خودسپردگی، تابع داری) کے معنیٰ میں ہے۔ اور لغت میں بھی صَغَارؔ کے معنیٰ خُضُوع کے ہیں، یعنی جھکنا اور تابع داری میں دینا۔ یہیں سے لفظِ صغیر کا اطلاق اس بچے پر ہوتا ہے جو اپنے والدین اور اپنے سے بڑے کی اطاعت کے لیے جھکا رہتا ہے۔ جزیہ کے سیاق میں خضوع سے مراد مملکت کے اقتدار کو تسلیم کرتے ہوئے اس کی اطاعت میں جھکے رہنا ہے۔ اور ذمیوں کی جانب سے جزیہ ادا کرنے کا مطلب مملکتِ اسلامی سے وفاداری اور تعلق کا اظہار ہے۔ اس کے مقابلے میں مملکت ان کے جان و مال کی حفاظت، ان کے جملہ معاملات کی نگرانی اور ان کے مذہبی عقائد کے احترام کا اہتمام کرتی ہے۔ اختلافِ عقائد کے باوجود سارے باشندوں کو مملکتِ اسلامی کے اقتدار اور اس کے قوانین کو قبول کرنے اور اس کی تابعداری کے لیے ذلت و حقارت کا راستہ نہیں اختیار کیا جائے گا۔ آیتِ جزیہ کی یہی وہ صحیح تفسیر ہے جو قرآنی نصوص، شریعت اسلامی کے اصول ومبادی اور اسلام کے گزشتہ سنہری دور کے تاریخی واقعات سے ہم آہنگ ہے۔

رہی یہ بات کہ اسلامی حکومت کے بعض ادوار، خصوصاً عہدِ عثمانی کے اواخر میں جزیہ کچھ اس طرح لیا جاتا تھا کہ اس میں ذلت اور حقارت بھی شامل ہوتی تھی تو اسے اسلام کے خلاف حجت نہیں قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیوں کہ اسلام میں قانون سازی کے کچھ ذرائع ہیں جو اسلام کے احکام وقوانین طے کرتے ہیں اور وہ قرآن وسنت اور اجماع ہیں۔ مسلمانوں میں سے کسی فردِ واحد کا عمل خواہ وہ کسی حیثیت ومنصب کا حامل ہو اسلام کے خلاف دلیل نہیں بن سکتا ہے، ہاں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رسولؐ کا عمل دلیل بن سکتا ہے۔ رہا صحابہؓ کا عمل جو نبی ﷺ کے شاگرد اور رفقا ہیں اور لوگوں میں سب سے زیادہ مقاصد شریعت پر نظر رکھنے والے ہیں تو اُن کے بارے میں جمہور علما کا اتفاق ہے کہ ان کا عمل اسی وقت حجت بنے گا جب وہ اسلامی شریعت کے احکام کے مطابق ہوگا۔ یہاں یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ اسلامی حکومت کے آخر کے ادوار میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تعلقات متعدد اسباب کی بنا پر ابتری کا شکار ہو گئے تھے۔

اب ایسی خراب فضا میں جس میں غیر مسلموں کے تعلقات اسلامی مملکت کے ساتھ اچھے نہ رہے ہوں، بسا اوقات کوئی حاکم انحراف کا شکار ہو کر انتقام کی طرف مائل ہوسکتا ہے۔ ہوسکتا ہے کوئی فقیہ بھی غلطی کر بیٹھے اور کوئی ایسی بات طے کردے جو اسلامی شریعت کی روح اور اس کے عام اصول ومبادی کے منافی ہو۔ اگر ایسا کچھ ہو تو اس طرح کے معاملات میں سارا قصور منحرف حاکم یا جاہل مفتی کا ہوگا۔ اسلامِ عظیم کی تعلیمات اس سے بالکل بَری ہیں۔ اسلام کے قوانین کی عظمت کو آپ گزشتہ صفحات میں دیکھ چکے ہیں، یہ اتنے مبنی برحق اور ہر طرح کے نقائص سے پاک ہیں کہ بڑے سے بڑا متعصب بھی آج تک ان میں کوئی عیب یا نقص نہیں نکال سکا ہے۔

یہ اسلام میں نظام امن و جنگ کا خلاصہ ہے جو آپ کے سامنے پیش کیا گیا اور جزیہ سے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے یہی اس باب میں قول فیصل ہے۔ اسلام نے جزیہ کے معاملے میں اخلاق، رواداری اور شرافت کی شان دار مثال قائم کی ہے۔ میرا ماننا ہے کہ بیسویں صدی میں مغربی استعمار کے جوئے تلے دبی اقوام کو اپنی جان و مال کی حفاظت، اپنے عقائد کی ضمانت اور اپنے حقوق کی رعایت اس درجہ نہیں حاصل تھی جتنی کہ چودہ سو سال پہلے اسلامی مملکت میں فتح و عزت کے دنوں میں محارب و مغلوب اقوام کو حاصل تھی۔ میں یہاں اسلامی جنگوں کے بعض تاریخی واقعات کو قدرے تفصیل سے بیان کرنا چاہتا تھا، تاکہ آپ لوگ دیکھیں کہ مسلمانوں نے کس حد تک اس نظام کی پابندی کی اور امن و جنگ کی صورت حال میں دوسری اقوام کے ساتھ تعلقات قائم کرنے میں اس سے کتنی رہنمائی حاصل کی ہے۔ لیکن وقت کی تنگی کے باعث میں نے جو کچھ پیش کیا ہے اس میں کافی اختصار سے کام لیا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تاریخ میں اسلامی جنگوں کی حقیقی صورت حال

یہاں اس بات کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ اسلام نے اپنے دستور اور قانون میں انسانیت کی خیر خواہی، ہم وردی اور امن وسلامتی کے قیام کے ذکر ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے۔ بلکہ تاریخی شواہد بتاتے ہیں کہ اسلام نے اپنے زریں دور میں ایسا کر کے دکھایا بھی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ انسانیت کو امن وسلامتی کا درس دینے والے دوسرے مذاہب ونظریات اور اسلام میں یہی وہ بنیادی فرق ہے۔ ہم نے ایسے دساتیر کا مطالعہ کیا ہے جو اپنے قوانین، فلسفہ اور لٹریچر میں ہمہ آن لوگوں کے ساتھ نیک سلوک، خیر خواہی اور ہم دردی کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ لیکن جب حکومت کرتے ہیں تو سب کچھ بھول جاتے ہیں اور ایسا بدل جاتے ہیں کہ اُنھیں قوموں کے حقوق کے ساتھ مسخرہ پن کرنے اور اُنھیں سختی سے کچلنے میں ذرا بھی باک نہیں ہوتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ وہ تو قوموں کے ساتھ انتہائی بھیانک قسم کے حِقد وحسد کا مظاہرہ کرتے اور بے دردی سے ان کا خون بہاتے ہیں اور ان کے درمیان جنگوں کو ہوا دیتے رہتے ہیں۔ اس سلسلے میں ہمارے سامنے دورِ جدید کی قریب ترین مثال فرانسیسی انقلاب کے اصول ومبادی اور فرانس کے زیرِ نگیں ملکوں کے عوام کے ساتھ فرانسیسیوں کی ظالمانہ کارروائیوں کے درمیان واضح تناقُض کی ہے۔ فرانس نے شمالی افریقہ کے جن عرب ملکوں پر حکومت کی وہاں کے باشندے آج بھی نوع بہ نوع کی ظلم وعدوان اور تذلیل وتحقیر پر مبنی کارروائیوں سے دوچار ہیں۔ اسی طرح کی باتیں بڑے ممالک کے بارے میں بھی کہی جاتی ہیں کہ انھوں نے ہی اقوامِ متحدہ کے اندر انسانی حقوق کی قانونی حیثیت کا اعلان کیا۔ پھر وہی ممالک آج انسانی حقوق کو پامال کرنے میں پیش پیش ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انھوں نے انسان کی آزادیوں پر ڈاکے ڈالے ہیں، ان کے قومی وقار ملیا میٹ کیا ہے اور ان کی زمین پر اور ان کے ذرائع و وسائل پر ناجائز قبضہ جما رکھا ہے۔(۱) اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے امن و سلامتی اور عدل اجتماعی سے متعلق موقف میں اور انسانوں کے ساتھ ان کے تصرّفات کے تاریخی واقعات جو المیوں، ظلم و عدوان اور غلام بنانے کی کارروائیوں سے بھرے ہوئے ہیں، ان کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ ان کا موقف ان کے اعمال سے میل نہیں کھاتا ہے۔

رہا اسلام تو جو شخص بھی اس کی جنگ سے متعلق تاریخ کا انصاف کے ساتھ خالی الذہن ہو کر مطالعہ کرے گا وہ بغیر شک و تردد کے اس نتیجے پر ضرور پہنچے گا کہ اس کی جنگیں درج ذیل صفات کی بنا پر انسانی تاریخ میں اپنی ایک الگ اور منفرد شناخت رکھتی ہیں۔

۱۔ چوں کہ اسلامی جنگیں ظالموں کے ظلم و عدوان کو روکنے کے لیے یا دشمنوں کی طرف سے ہونے والی تکلیف دہ کارروائیوں کو دفع کرنے کے لیے یا امتِ مسلمہ کی سیادت و قیادت کی حفاظت کی خاطر ان دشمنوں کے خلاف لڑی جاتی تھیں جنھوں نے امت کے خلاف محاذ بنا رکھا تھا، اس لیے ان جنگوں کو ہم دفاعی جنگیں کہہ سکتے ہیں۔ اور یہ رسول اللہ ﷺ کی جنگیں دفاعی جنگیں تھیں جن کا مقصد اس دینی آزادی کا حصول تھا جو مشرکین عرب نئے ایمان لانے والے مؤمنوں کو دینے کے لیے تیار نہیں تھے۔

پھر اس کے بعد تاریخ میں مرتدین کے خلاف جنگوں کا تذکرہ آتا ہے۔ اگر آپ غور کریں تو یہ جنگیں بھی حقیقت میں مملکت اسلامی کے وجود کے دفاع اور ان کے بقا کے لیے تھیں۔ کیوں کہ مرتدین پوری طرح اسلامی مملکت کے خلاف بغاوت پر آمادہ تھے اور اسے مٹا کر صرف یادگار بنا دینا چاہتے تھے۔ اس کے بعد فارس اور روم کے ساتھ جنگوں کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے۔ رہے اہل روم تو ان کے ساتھ ہماری جنگ دراصل ان کی ان سازشوں اور ریشہ دوانیوں کا جواب تھی جو وہ نئے دین (اسلام) اور اس کے ماننے والوں کے خلاف رات دن کر رہے تھے۔ یہاں تک کہ وہ حدودِ شام اور حجاز کے عرب قبائل سے مل کر اسلامی مملکت کے خلاف محاذ آرائی بھی

---

(۱) اس کی زندہ اور تازہ مثال عراق، افغانستان اور صومالیہ میں امریکہ اور ناٹو کی فوجی کارروائیاں ہیں۔ ان کی فوجوں نے اُن ملکوں میں جو بھیانک اور غیر انسانی کارروائیاں کی ہیں وہ تاریخ انسانی کا ایک سیاہ ترین باب ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کر رہے تھے۔ رہے اہل فارس تو ان کے ساتھ بھی ہماری جنگ مملکت اسلامی کے وجود کے دفاع کے لیے تھی۔ اور اس کا مقصد اُن شرانگیزیوں کو ناکام بنانا تھا جو وہ مرتدین کی تائید وحمایت کر کے اور ان کو مال واسباب اور اسلحہ کی امداد فراہم کر کے مملکت اسلامی میں انتشار پھیلانا چاہتے تھے۔ اور مرتدین میں سے جو لوگ اسلامی لشکر کے مقابلے سے فرار اختیار کر کے عراق کے مضافات میں پہنچے ان کی انھوں نے بھر پور حمایت کی۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کفار قریش اور مشرکین عرب کے ساتھ جو جنگ کی تھی اور آپؐ کے بعد مسلمانوں نے جو جنگ فارس وروم کے ساتھ کی تھی ان پر دفاع کا اطلاق ہوتا ہے، وہ ظلم وعدوان کی تعریف میں نہیں آتیں۔ اور بازنطینی اور فارسی امپائر کے علاقوں میں جو جنگیں جاری رہیں وہ دراصل گزشتہ جنگوں کا ایک طبعی تسلسل تھا جن کے روکنے کی کوئی سبیل نہیں تھی۔

۲۔ اسلامی جنگیں دراصل حصولِ آزادی کے لیے تھیں، جن کا مقصد قوموں کو ان کے ظالم وسرکش بادشاہوں سے آزادی دلانا تھا۔ اور انھیں اس بدترین مذہبی اور اجتماعی صورتِ حال سے چھٹکارا دلانا تھا جس میں وہ اپنے ملوک ورؤسا کے باعث مبتلا تھیں۔ چناں چہ اسلامی جنگوں نے قوموں کے معاملات میں بادشاہوں کی حکم رانی کا یکسر خاتمہ کر دیا، اور ان کی اُس ہوس پرستانہ فکر کا بھی خاتمہ ہو گیا جس کے نتیجے میں وہ جب چاہتے قوم کو جنگ کی آگ میں جھونک دیتے تھے، جس میں نہ تو قوم کا کوئی فائدہ ہوتا تھا اور نہ اس سلسلے میں ان سے کوئی رائے لی جاتی تھی۔ اور اس حق کا بھی خاتمہ ہو گیا جو ملوک ورؤسا نے اپنے لیے طے کر رکھا تھا کہ ان کی مرضی و مشیئت اللہ کی مرضی ومشیئت ہے اور اُن کی تابع داری اللہ کی تابع داری ہے۔ چناں چہ ہم نے دیکھا کہ ایک وقت وہ بھی آیا کہ قوم اپنے امرا ورؤسا کو اس نظر سے دیکھنے لگی کہ وہ اس کے مزدور ہیں اور اس کے کاموں کو نپٹانے کے ذمے دار ہیں۔ ایک بار ابو مسلم خولانی حضرت امیر معاویہؓ کے پاس آئے اور کہا: اے مزدور، السلام علیکم، دربار میں موجود لوگوں نے کہا، کہو اے امیر، لیکن انھوں نے دوبارہ کہا، اے مزدور، السلام علیکم، پھر لوگوں نے کہا، کہو، اے امیر! اس طرح لوگوں نے ہر بار امیر کہنے کے لیے کہا، مگر وہ ”اے مزدور! کا اعادہ کرتے رہے۔ یہاں تک کہ حضرت معاویہؓ نے لوگوں سے کہا: ابو مسلم کو چھوڑ دو، وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ پھر

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ابو مسلم گویا ہوئے اور کہا: اے معاویہ! تم تو مزدور ہو ان بھیڑوں (مراد عوام اور رعایا) کے، مالک نے تمھیں مزدوری پر رکھا ہے۔ اب اگر تم نے بھرپور طریقے سے ان کی دیکھ ریکھ کی اور ان میں سے ہر ایک کا خیال رکھا تو ان کا مالک تمھیں پورا پورا اجر دے گا۔ اور اگر تم نے اپنی ذمے داری پوری نہیں کی تو ان کا مالک تمھیں سزا دے گا۔"

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ لوگوں کے اندر آزادیِ رائے کی ایسی قوت پیدا ہوگئی کہ ایک آدمی مجمعِ عام میں حضرت عمرؓ خلیفۂ دوم کو مخاطب کر کے کہتا ہے: "بہ خدا اگر ہم نے آپ کے اندر کجی دیکھی تو اپنی تلواروں سے آپ کو سیدھا کر دیں گے۔" اسی طرح ایک بُڑھیا حضرت عمرؓ سے کہتی ہے: "ہم آپ کی بات نہ سنیں گے اور نہ مانیں گے۔" جب اس نے آپ کے جسم پر ایک کپڑا دیکھا اور گمان کیا کہ یہ بیت المال سے بنایا گیا ہوگا۔ ان دونوں کے تعلق سے حضرت عمرؓ کا موقف یہ تھا کہ پہلے شخص سے وہ ناراض نہیں ہوئے۔ اور نہ اپنے آپ کو کپڑے پر اعتراض سے بالاتر سمجھتے ہوئے بڑھیا کو حقیر سمجھ کر چھوڑ دیا، بلکہ ان کے صاحب زادے عبداللہ نے اس اعتراض کو رفع کیا۔ ان دونوں واقعات میں قوموں کے اندر پیدا ہونے والی نئی روح کا پتا چلتا ہے۔ اور یہ آزادیِ رائے کے اظہار کی قوت دراصل ان اسلامی جنگوں کی پیدا کردہ ہے جو باطل نظریات کے حاملین پر غالب ہوئیں اور اس کے نتیجے میں مثالی (Ideal) عوامی حکومت قائم ہوئی۔ آزادیِ رائے کے سبب حکومت مستحکم ہوئی اور قوموں کے مزاج اور عوام کی نفسیات سے قریب تر بھی رہی۔

قوموں کی آزادی کی شاندار مثال ہمیں قبطی کے اس قصے میں ملتی ہے، جس کا واقعہ یوں ہے کہ حاکم مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کے لڑکے نے قبطی کے لڑکے کو مار دیا تھا۔ اس نے اس بات کی شکایت امیر المؤمنین حضرت عمرؓ سے کی تھی۔ یہ ایک ایسی مثال ہے جس کی نظیر ہمیں اسلام سے پہلے نہیں ملتی ہے۔ مسلمانوں کے مصر کو فتح کرنے سے پہلے بھی یہ قبطی مغلوب قوم سے تعلق رکھتا تھا، جس پر رومی غالب تھے۔ رومیوں نے قبطی قوم کی عزت کو ملیامیٹ کر کے اسے ذلت کی بالکل نچلی سطح پر پہنچا دیا تھا۔ وہ قبطیوں کا مال چھین لیتے تھے اور ان کے مردوں اور عورتوں کی پیٹھوں کو کوڑوں سے لہولہان کر دیتے تھے۔ وہ اُن کی مذہبی آزادی اور چرچ کے معاملات میں بھی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بے جا مداخلت کرتے تھے۔ اس صورت حال میں کوئی قبطی نہ تو رومیوں کے ظلم وستم کے خلاف کوئی آواز بلند کرتا تھا اور نہ کسی طرح کی بے چینی کا اظہار کرتا تھا۔

جب اسلام مصر میں داخل ہوا تو اس نے مصری قوم کے شعور واحساس کو بے دار کر دیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ جب ایک چھوٹے بچے نے جو کہ حاکم کا بیٹا تھا، اس نے ایک دوسرے چھوٹے بچے کو مارا جو کہ محکوم (قبطی) قوم کا بیٹا تھا تو اس کے قبطی باپ نے اسے ظلم سمجھا۔ اور اس نے اس ظلم پر سکوت گوارا نہ کیا، بلکہ اس کی شکایت کے لیے پورے ایک مہینے کے اونٹ کے سفر پر مدینے کے لیے روانہ ہو گیا۔ اور خلیفۃ المسلمین (صدر مملکت) سے مطالبہ کیا کہ اس ظلم کا خاتمہ کریں جسے ختم کرنے اور اقوامِ عالم کو جس سے نجات دلانے کے لیے اسلامی جنگوں کا آغاز ہوا تھا۔

اِس قبطی کے گمان کے مطابق حضرت عمرؓ اس کی شکایت سن کر بے چین ہو گئے اور حاکمِ مصر اور اس کے بیٹے کو فوراً مدینہ امیر المؤمنین کی عدالت میں طلب کیا۔ اور دونوں کے خلاف مقدمہ قائم کیا اور حضرت عمرو بن عالعاصؓ کے لڑکے کے خلاف فیصلہ دیا کہ قبطی لڑکا اس کے سر میں کاری ضرب لگائے گا اور یہ انتقام وہ مجمع عام میں لے گا۔ پھر آپ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حکم دیا کہ کوڑا عمرو بن العاص کے سر پر رکھا جائے۔ اور انھیں اِن لازوال کلمات کے ذریعے مخاطب کیا: ’’تم نے لوگوں کو کب غلام بنالیا، ان کی ماؤں نے تو اُنھیں آزاد جنا تھا؟‘‘

اگر سرسری نظر سے دیکھا جائے تو ایک چھوٹے بچے کا اپنے جیسے دوسرے چھوٹے بچے کو مارنا کوئی غیر معمولی واقعہ نہ تھا۔ اس طرح کا واقعہ تو ہر روز ہر جگہ واقع ہوتا رہتا ہے۔ صرف حاکم ومحکوم کے لڑکوں کے درمیان نہیں، بلکہ پڑوسیوں کے لڑکوں میں، ایک ہی گھر میں سگے بھائیوں کے لڑکوں میں مار پیٹ ہوتی رہتی ہے۔ لیکن کسی کے دل میں یہ خیال نہیں آتا کہ یہ ایسا معاملہ ہے جسے امیر المؤمنین خود اہمیت دیں اور مارنے والے لڑکے اور اس کے باپ کو مجمع عام میں سزا دلوائی جائے۔ مگر اسلام میں ایسا ہوا، کیوں کہ اسلام قوموں کو ہر طرح کی ظلم پر مبنی غلامی سے آزادی دلاتا ہے۔ اسلام کی نظر میں کسی حاکم کے لڑکے کا اپنے باپ کے اقتدار و حکم رانی کے غرّے میں آکر محکوم قوم کے کسی لڑکے کو مارنا اور یہ کہنا: ’’میں شریف زادہ ہوں۔‘‘ ایک طرح کی غلامی ہے۔

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

ایک لڑکے کا کسی دوسرے لڑکے کو ناحق مارنا اسلام کی نگاہ میں کھلا ہوا ظلم ہے اور کسی کو زبردستی غلام بنانا ہے۔کیا قوموں کے لیے اس سے زیادہ کسی آزادی کا تصور ہوسکتا ہے۔کیا قوموں کی عزت نفس کی حفاظت اوران کے حقِ آزادی کی رعایت اس سے زیادہ اوراس سے بڑھ کر ہوسکتی ہے؟اس کے مقابلے میں دوسرے مذاہب ونظریات کو ماننے والے ایک پوری قوم پر ظلم ڈھاتے ہیں اوراسے اپنی سرزمین سے نکال باہر کرتے ہیں اوراسے بے گھر کردیتے ہیں تاکہ بھوک، بیماری اورٹھنڈک کے سبب پوری قوم مرجائے۔ برطانیہ اورامریکا سمیت بیش تر بڑے ممالک نے مل کر فلسطینی قوم کے ساتھ جس ظلم وبربریت کا مظاہرہ کرکے اسے اپنی سرزمین سے جلا وطنی پر مجبور کیا اور پھر وہاں یہودی قوم لا بسایا یہ ہم سب کے علم میں ہے۔(اور آج اسرائیلی حکومت اہل غزہ کے ساتھ جس طرح کی بربریت اورسفاکیت کا مظاہرہ کررہی ہے وہ تاریخ کا ایک سیاہ باب ہے۔مترجم) ماضی میں فلسطینیوں کے ساتھ یہی کچھ اسرائیل کے سابق وزیراعظم ٹرومین نے کیا تھا۔

بلا شبہ حضرت عمرؓ نے محکوم لڑکے کا حق دلوانے کے لیے جو کچھ کیا وہ ایک مثالی اقدام تھا۔تاریخ کی نگاہ میں حضرت عمرؓ کا یہ عمل نسل انسانی پر ایک عظیم احسان ہے۔اور قبطی نے جو اقدام کیا وہ نتیجہ ہے اسلامی جنگوں کے ثمرات کا جو وہ قوموں کے اندر ظلم سے آزادی کے لیے پیدا کرتی ہیں۔ جب ہم اسلامی جنگوں کا مقابلہ ان جنگوں سے کرتے ہیں جو شروع کی جاتی ہیں قوموں کو آزادی دلانے اور کم زوروں کو اقتدار سے ہم کنار کرنے کے لیے تو ہمیں اسلامی جنگیں بہت زیادہ انسانیت پر رحم کرنے والی نظر آتی ہیں۔اس کے برعکس دوسری جنگیں انسانیت اوراس کے وسائل کو روند ڈالتی ہیں۔اوران کے ذریعے سے قوموں کو ظلم سے آزادی ملنے کی بہ جائے وہ مزید ظلم کا شکار ہوجاتی ہیں۔ ان کے ملکوں کو بانٹ دیا جاتا ہے، اوران کے قومی وقار اوران کے وسائل رزق سلب کرلیے جاتے ہیں، جیسا کہ دونوں عالمی جنگوں میں ہوا۔

۳۔اسلامی جنگیں دراصل اخلاقی قدروں پر مبنی تھیں۔ان جنگوں میں مغلوب ومحارب قوم کے ساتھ معاملہ کرنے میں ہمیشہ حق وانصاف اوررحم وکرم کی پابندی کی گئی۔یہاں تک کہ غلبہ و حکم رانی کے زمانے میں بھی اُن کے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کیا گیا۔ہم پوری انسانی تاریخ پڑھتے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہیں مگر اس میں اس طرح کا کوئی ایسا واقعہ نہیں پاتے جو ہم ذیل میں نقل کر رہے ہیں:

''جب حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو اہل سمرقند میں سے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے۔ اُنھوں نے آپ کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کرتے ہوئے کہا: قُتَیبہ (سپہ سالار ہیں) ہمارے شہر میں داخل ہوئے اور دھوکے سے مسلمانوں کو بغیر کسی حق کے شہر میں بسا دیا۔ یہ سن کر حضرت عمر بن عبدالعزیز نے اپنے گورنر کو خط لکھا کہ ان کے لیے ایک قاضی (جج) متعین کرے جو ان کے معاملے کو دیکھے اور اگر قاضی مسلمانوں کو ان کے شہر سے نکالنے کا فیصلہ کرے تو اُنھیں نکال دو۔ چناں چہ گورنر نے ان کے لیے ''جمیع بن حاضر الباجی'' کو ان کی شکایت پر غور کرنے کے لیے قاضی متعین کیا۔ اور قاضی نے مسلمانوں کو ان کی سرزمین سے نکالنے کا فیصلہ کیا۔ اسلامی لشکر کے کمانڈر کو حکم دیا کہ وہ اسلام میں جنگ کے اصولوں کے مطابق پہلے اہل سمرقند کو خبردار کرے، پھر ان کے ساتھ اعلانِ جنگ کرے۔ یہاں تک کہ اہل سمرقند مسلمانوں کے ساتھ جنگ کے لیے پورے طور پر تیار ہو جائیں، ان پر یکا یک حملہ نہیں کیا جائے گا۔ لیکن قاضی کے اس فیصلے کے بعد اہل سمرقند نے مسلمانوں سے جنگ کو ناپسند کیا۔ انھوں نے اپنی سرزمین پر مسلمانوں کا حق تسلیم کیا اور انھیں اپنے درمیان آباد کیا۔''

(بلاذری)

یہ تاریخ کا ایک نادر واقعہ ہے کہ ایک غالب فوج کسی شہر میں داخل ہوتی ہے اور قاضی شہر اس کو شہر سے نکل جانے کا حکم دیتا ہے، کیوں کہ وہ شہر میں ناحق داخل ہوئی تھی، اور فوج اس فیصلے کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتی ہے۔ وہ شہر میں دوبارہ اس وقت داخل ہوتی ہے جب اہالیانِ شہر رضا کارانہ طور پر داخلے کی اجازت دیتے ہیں۔

یہ اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اسلامی جنگیں اخلاق اور حق و انصاف کے اصولوں کی پابند تھیں۔ ہم جب تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں پوری دنیا میں کسی قوم و ملت میں اس طرح کا موقف نہیں ملتا ہے اور نہ جنگوں کی تاریخ میں کسی جنگ میں ایسی شاندار مثال ملتی ہے۔

۴۔ اسلامی جنگوں کی بنیاد خالصتاً انسانیت نوازی تھی۔ یہ جنگیں کسی قوم، گروہ اور جنس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے مفاد کے لیے نہیں تھیں، بلکہ دنیا کی ساری قوموں کے مفاد کے لیے تھیں۔ فتح و نصرت کے حصول کے بعد اس نے اپنا سینہ ساری اقوامِ عالم کے لیے کھول دیا اور اس نے دنیا کی ساری تہذیبوں سے استفادہ کیا۔ اسلام نے اپنے جھنڈے تلے بہت سی قوموں اور گروہوں کو سایہ دیا، جن کی زبانیں اور رسوم و عادات جدا جدا تھیں اور ان کی نسلیں اور مذاہب بھی مختلف تھے۔ یہ اسلامی جنگوں ہی کا طرۂ امتیاز ہے کہ فتح و غلبہ کے بعد اس نے ایک ایسی تہذیب کی بنا رکھی کہ جس کی تعمیر و ترقی میں اسلام کے زیرِ نگیں ساری قوموں نے مشترک رول ادا کیا۔ اگر اسلام کی جنگیں اور اس کی فتوحات نہ ہوتیں تو کیا انسانیت اسلام کی عظیم شخصیتوں مثلاً امام ابوحنیفہ، ابن سینا، فارابی اور امام غزالی کے غیر معمولی فکر کے ثمرات سے بہرہ ور ہو سکتی تھی۔ دل چسپ بات یہ ہے کہ یہ سب کے سب غیر عربی تھے۔

قارئینِ کرام! اسلامی جنگوں کی یہ اہم اور امتیازی خصوصیات ہیں جو ہمیں اس کے تاریخی واقعات میں نظر آتی ہیں۔ اس طرح اسلام نے تاریخ انسانی میں پہلی بار ایک ایسی ممتاز نسل تیار کی جو نہ صرف امن پسند تھی، بلکہ اس نے عملاً دنیا میں امن و شانتی پر مبنی نظام قائم کیا، اور جنگ کو ناپسند کیا اور اس سے دور رہنے کی کوشش کی۔ اس نے جنگ میں حصہ اسی وقت لیا جب اس کے علاوہ کوئی اور متبادل نہ ہو اور جب جنگ کی تو اپنے اخلاق، انسانیت نوازی اور اپنی امن پسند روح کو کبھی نہیں بھلایا۔ ایسے موقع پر اس نے اپنے کٹّے دشمنوں کے ساتھ بھی رواداری کا معاملہ کیا اور اس سلسلے میں اسلام نے بے مثال کام یابی حاصل کی۔ میرے خیال میں اس کام یابی کا راز یہ ہے کہ اسلام نے مسلمانوں کے لیے امن کی فضا فراہم کی۔ ایک مسلمان کے اپنے اندر، اپنے گھر میں، اپنے پڑوس میں اور اپنے معاشرے میں غرض یہ کہ ہر طرف امن ہی امن تھا۔ اسلام نے ان کے اندر سے شر، لالچ اور غلبہ و استعلا کے عوامل کو نکال باہر کیا تھا۔ اس نے مسلمانوں کے لیے عبادت کو وہ پہلا مدرسہ بنا دیا جو انھیں لوگوں کے ساتھ تعاون اور امن پسندی کی تربیت دیتا ہے۔ جب عقیدہ اور عزت و آبرو کے دفاع کی خاطر اور جماعت کو ظالموں کی سرکشی اور متکبّرین کے جور و استبداد سے آزادی دلانے کے لیے مسلمانوں کو جنگ کے لیے مجبور ہونا پڑا تو انھوں نے ایسی بے جگری سے دشمنوں کا مقابلہ کیا کہ لوگوں نے دیکھا کہ وہ شیر ہیں جو موت کی پروا نہیں کرتا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور وہ اپنے جسموں پر لگنے والے زخموں سے بے پروا ہوتے ہیں۔

لیکن بایں ہمہ وجوہ وہ صلح جوئی کے لیے بے چین رہتے ہیں اور امن و شانتی کے قیام کے لیے سنجیدہ ہوتے ہیں۔ اور ان کا سینہ حقد و کینہ کے جذبات سے خالی ہوتا ہے۔

اگر ہم غور کریں تو آج انسانیت کو اُس تربیت کی کتنی زیادہ ضرورت ہے جس کی بنیاد پر اسلام نے اپنے ماننے والوں کی تربیت کی۔ اسلام نے انھیں نسل انسانی کا بے لوث و مخلص خادم بنا دیا تھا۔ آج جو لوگ دنیا بھر میں قیام امن کا نعرہ لگا رہے ہیں، ان کا یہ نعرہ کھوکھلا ثابت ہو رہا ہے۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے نفوس امن کی لذت سے نا آشنا ہیں۔ خود ان کے اندر فساد ہی فساد ہے۔ ان کے گھروں اور ان کے معاشروں میں امن بالکل مفقود ہے۔ ان کے نفوس میں حرص و آز اور شہوات کے درمیان ایک معرکہ بپا ہے، اور ان کے قلب و عقل کے درمیان جنگ جاری ہے۔ ان کے گھروں میں آپسی اختلافات کی ایک ایسی آگ شعلہ زن ہے کہ جس کے سبب حقوق و واجبات کا توازن بگڑ گیا ہے۔ شوہر اور بیوی کے درمیان، باپ بیٹے کے درمیان حقوق و واجبات کی جنگ جاری ہے۔ ان کے معاشروں میں موروثی حقد و حسد اور پوشیدہ کینہ اور سماجی ظلم و زیادتی، یہ ایسے عوامل ہیں جو مستقلاً اعصاب کو برانگیختہ کر رہے ہیں اور آپسی دشمنیوں کو ہوا دے رہے ہیں۔ اس طرح وہ لوگ کسی جنگ میں گھسنے سے پہلے خود ایک مسلسل جنگ میں مبتلا ہیں۔ ان کے پاس امن کے آثار دور دور تک نہیں ملتے ہیں تو وہ دوسروں کو امن و سلامتی کی دعوت کس بنیاد پر دے رہے ہیں۔ وہ کہنے کو امن و سلامتی کے قیام کی رغبت کا اظہار کرتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ مختلف ملکوں اور قوموں کے درمیان دشمنیوں کو ہوا دیتے ہیں۔ وہ عزتوں کو پامال کر رہے ہیں، وہ قوموں کے مال و دولت کو ہڑپ کر جانے کے لیے اور ان کی خود مختاری کو سلب کرنے کے لیے خود ایک دوسرے سے برسرِ پیکار رہتے ہیں۔ اس طرح گرچہ وہ اپنے آپ کو بڑا امن پسند اور صلح جو ظاہر کرتے ہیں، لیکن عمل ان کا ہمیشہ جنگ جویانہ ہوتا ہے۔

اس بات میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ جس کا اندرون امن کے سچے احساس سے خالی ہو اور جس کا معاشرہ خود بدامنی کا شکار ہو اور جس کے ملک میں امن مفقود ہو وہ دوسرے ملکوں اور دوسری قوموں کو کیسے امن دے سکتا ہے۔ اگر بڑی قوموں کے قائدین آج اپنے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اندرون اور اپنے ملکوں کی فساد زدہ اور زہر آلود فضا میں زندگی نہیں گزار رہے ہوتے تو ضرور دنیا کو ماضی کی دو عالمی جنگوں کے خطرے سے بچانے پر قادر ہوتے، اور تیسری عالمی جنگ جس کا اندیشہ ہر آن ظاہر کیا جا رہا ہے اس کے آثار کا بہ آسانی قلع قمع کر دیتے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا دنیا کے ماہرین سیاست، پالیسی ساز ادارے اور دنیا بھر کی اصلاح کے ٹھیکے دار کسی ایسے قانونی نظام کی تلاش میں ہیں جو امن و شانتی کی طرف ان کی راہ نمائی کرے اور ان کی قوموں اور پوری دنیا کو جنگ کی تباہ کاریوں سے بچا سکے؟ کیا وہ اسلام جیسے عملی قانونی نظام کے بارے میں پتا نہیں لگاتے جو ان نفوسِ انسانی کو جذبۂ امن و سلامتی سے سرشار کرتا ہے جو اس اللہ کی بندگی کرتے ہیں جو سراپا مہربان اور سرچشمۂ امن و سلامتی ہے۔ اور ان کے درمیان رحمت و سلامتی کو ملاقات کے وقت کی دعا بنایا ہے۔ اور ان پاکیزہ نفوس کو جنت کے جس مقام پر رکھا جائے گا اس کا نام دارالسلام (سلامتی کا گھر) ہوگا۔

کیا دنیا میں قیامِ امن کے داعیوں اور نقیبوں کے لیے اس بات کا موقع نہیں ہے کہ وہ ہر سال موسم حج میں منعقد ہونے والی ایک عالمی امن کانفرنس کا مشاہدہ کریں جس کا انعقاد خالصتاً لوجہ اللہ ہوتا ہے۔ اس کانفرنس کے شرکا کا تعلق مختلف خطۂ ارض سے ہوتا ہے۔ اور سب کی زبان پر سلامتی کے گھر (خانۂ کعبہ) میں امن و سلامتی کا نغمہ ہوتا ہے۔ ان کے معاملات میں انبیا و رسل کے اخلاق کا پرتو ہوتا ہے۔ ارشاد باری ہے:

فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ ۙ وَ لَا جِدَالَ (البقرۃ:۱۹۷)

”نہ کوئی شہوانی فعل، نہ کوئی بدعملی اور نہ کوئی لڑائی جھگڑا۔“

یہ ہیں اس عالمی امن کانفرنس کے نمایاں خط و خال۔ کیا امنِ عالم کے قیام کی کوشش کرنے والوں کے لیے اس بات کا موقع ہے کہ وہ اس ربانی کانفرنس کا مشاہدہ کریں جو آباد سرزمین سے دور ایک خطے میں منعقد کی جاتی ہے۔ اور اس کے شرکا کا یہ حال ہوتا ہے کہ جیسے ان کے دلوں سے جنگ و جدال، فتنہ و فساد اور آپسی دشمنیوں کے عوامل سلب کر لیے گئے ہیں۔ پھر وہ امن کے داعی، ہدایت کے حامل اور سلامتی کے پیام بر بن کر اپنے وطن کو لوٹتے ہیں۔ کیا اِن علم بردارانِ امن کو توفیق ملے گی کہ وہ اپنی آنکھوں سے امن کی اس الٰہی عالمی کانفرنس کو بہ غور

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

دیکھیں اور اس بات کو اچھی طرح سمجھیں کہ یہ اسلام کی قوت ہے جس نے لوگوں کے دلوں میں امن کی محبت پیدا کر دی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے رنگ و نسل اور زبان و وطن کے اختلاف کے باوجود آپس میں بھائی بھائی ہو کر پاکیزہ جذبات کے ساتھ امن و تعاون کی فضا میں ایک دوسرے سے مل رہے ہیں۔

برنارڈ شا نے کیا ہی خوب کہا ہے:

''محمد ﷺ کو صحیح معنوں میں انسانیت کا نجات دہندہ کہنا چاہیے۔ اگر آج ان کے جیسا کوئی آدمی جدید دنیا کی قیادت کے منصب پر فائز ہو تو اس کے سارے مسائل اس طرح حل ہو جائیں گے کہ اس سے سارے عالم میں امن و سعادت کا بول بالا ہو گا۔ کیوں کہ آج دنیا کو امن و سعادت ہی کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔''

اے اللہ! دنیا کو امن و سلامتی سے بھر دے۔ تو سراپا سلامتی ہے، اور سلامتی کا سرچشمہ ہے۔ آپ کی ذات بڑی بابرکت اور عظمت والی ہے۔

'' محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ ''

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

₹44.00

PN- 1391